ماہنامہ
قندیل ادب انٹرنیشنل
لندن

شمارہ:64   ماہ/اپریل2018

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
80 STRATHDONE DRIVE SW170PW LONDON
(M) 0044-7886-304637, 02089449385
www.qindeel-e-adub.com, ranarazzaq52@gmail.com
A magazine of urdu llitrature and poetry from london

حبیب جالب

غزلیں تو کہی ہیں کچھ ہم نے، اُن سے نہ کہا احوال تو کیا
کل مثلِ ستارہ ابھریں گے، ہیں آج اگر پامال تو کیا
جینے کی دُعا دینے والے، یہ راز تجھے معلوم کہاں
تخلیقِ کا اِک لمحہ ہے بہت ، بیکار جئے سو سال تو کیا
سکّوں کے عوض جو بِک جائے ، وہ میری نظر میں حُسن نہیں
اے شمعِ شبستانِ دولت! تو ہے جو پری تمثال تو کیا
ہر پھول کے لب پر نام مرا، چرچا ہے چمن میں عام مرا
شہرت کی یہ دولت کیا کم ہے ، گر پاس نہیں ہے مال تو کیا
ہم اہلِ محبت پالیں گے اپنے ہی سہارے منزل کو
یارانِ سیاست نے ہر سُو پھیلائے ہیں رنگیں جال تو کیا
دُنیائے ادب میں اے جالبؔ اپنی بھی کوئی پہچان تو ہو
اقبالؔ کا رنگ اُڑانے سے تُو بن بھی گیا اقبال تو کیا

***

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم / سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع / ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوورسٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق / ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات / لیگیسی کیس
- ٹرائبونل اپیل
- ہائی / کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹوڈنٹس اپیل

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس: 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس: 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

مجلس ادارت

بانی رُکن

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خاں

اراکین ادارتی بورڈ

آدم چغتائی، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، اے حق یوکے ٹائمز، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔امجد مرزا امجد۔ طارق مرزا آسٹریلیا۔عبدالقدیر کوکب۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا۔ بلاتفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔ جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے۔قندیل ادب اکثر ممالک میں لاکھوں قارئین تک جاتا ہے۔اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔اگر آپ کے پاس ادبی فن پارے کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کر دیا کریں تاکہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔شکریہ

رانا عبدالرزاق خاں

پبلشر سویرا اکیڈیمی، لندن

AMJAD MIRZA

mirzaamjad@hotmail.co.uk / 07939 830093

فہرست مضامین

اداریہ		5
غزل۔عذرا ناز، شاہین اختر شاہین		5
پنجابی رنگ:ڈاکٹر منور احمد کنڈے (ٹیلفورڈ) امجد مرزا امجدؔ، اسلم چغتائی، ستنام کور، شائق نصیر آبادی، مختار آذر کربلائی (باٹلے)، ایم زیڈ کنول (لاہور) شہزاد اسلم (ہڈرز فیلڈ) فاروق قریشی خاورؔ، سعداللہ شاہ، مسعودؔ چودھری جرمنی، نکہت افتخار، باصر کاظمی، عبدالکریم قدسیؔ، عاصی صحرائی، مسلم سلیم، بشارت احمد بشارت، فرحت خان، سلیم انصاری، پروفیسر عبدالقدیر کوکب، محسن نقوی، شگفتہ شفیق، انور ظہیر برلن جرمنی، وسیم بٹ نیروبی، حباب ہاشمی الہ آباد، صدیقہ شبنم لندن، رؤف خیر حیدرآباد دکن، حمیدہ معین رضوی، ڈاکٹر ساحرؔ شیوی، بانو اَرشد، سیّد ریاست عباس رضوی، سائرہ بتول، سبینہ سحر، رُخسانہ رخشی، اشتیاق زین، انجم شہزاد انجمؔ، پاکیزہ بیگ، خورشید پرویز، چمن لال چمنؔ، ابراہیمؔ رضوی، اشرف عطارد، محمد اسلم چغتائی، مظفر احمد مظفر، مبارکؔ احمد صدیقی، مشتاق سنگھ، پروفیسر محمد شریف بقاؔ، سیما جبّار، گلشن کھنہ، ناصرہ رفیق کرائیڈن لندن، گلزیب زیبا، محمود اقبال محمودؔ، محسنہ جیلانی، فرزانہ فرحت، عابدہ شیخ، سلطانہ مہر، برمنگھم، جاویدؔ اختر چودھری، برمنگھم، آدمؔ چغتائی، احمد مسعودؔ، نوٹنگھم، فرزانہ نیناں، نوٹنگھم، طفیل عامر۔افتخار عارف، سلیم ناز کراچی، ڈاکٹر نثار ترابی، انوار فیروز راولپنڈی، اے حق، افتخار عارف، انجینئر مبارک احمد مبارک، پروفیسر ڈاکٹر رفیق خان، اندرجیت سنگھ، اکرام تبسم لاہور، ماہ نور خانزادہ۔پروفیسر افتخار اجمل شاہینؔ، اختر شاہجہان پوری، عدیل یوسف صدیقی، شاہین فصیح ربانی، مخمور شاہجہاں پوری، صفدر علی آغا، اعجاز احمد اعجاز، انور شمیم انور، اختر شاہجہانپوری، عدیل یوسف صدیقی، صفدر علی آغا۔		6-20
آہ عظمیٰ صدیقی	امجد مرزا امجد	21
اُردو کو بچایئے	امجد مرزا امجد	22
سلگتی کہانی	سہیل لون	22
پھول اک کنول کا	فرخندہ رضوی ریڈنگ	23
شمع چوہدری کی ملائم شام	اسحاق ساجد جرمنی	24
سید ظہیر غزالی کی کتاب بکھرے پتے	ادارہ	25
جستہ جستہ	عاصی صحرائی	27
کتنا بدل گیا انسان	عابد حسین دستگیر کراچی	30
بزمِ رہبر کے زیر اہتمام آل بہار مشاعرہ	ادارہ	31
ایک اور جابر منصف	اے آر خاں لندن	32
عاصمہ جہانگیر کی یاد میں۔تعزیتی جلسہ	ادارہ	33
ٹائم فریم	چوہدری نعیم احمد باجوہ	35
شہر! احتیاط لازم ہے	اصغر علی بھٹی نائجیریا	37
جسٹس صدیقی کی جیت قائداعظم کی ہار ہے	طاہر احمد بھٹی	39
جناب! آج قائداعظمؒ نہیں	اصغر علی بھٹی نائجیریا	41

***

SHARIF

HALAL MEAT & GROCERIES
FRESH FRUITS & VEGETABLES

Munir Sheikh

02088719265, 07426546212
07450161511

189 MERTON ROAD SW18 5EF

LONDON

GOODFELLOWS SOLICITORS

12 SELKIRK ROAD, SW17 OES

SHAHID LATIF

DIRECTOR

SL@GOODFELLOWSSOLICITORS.CO.UK

CONTACT

07790945945

02087676800

FAX: 02087676802

BSC ELECTRICAL ENGINEERS

Part P Approved Contractor
Certification
Rewire PAT Testing
Replacement Fuse Board
Fault Detection

Contact:

SAMIULLAH

07432715797

E-mail: ssami19693@hotmail.com

Web: bscelectricalengineers.co.uk

HEATING LTD.

24 7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial

Contact: 07722 222 965

www.247breakdownsolution.co.uk

اداریہ

ماہ اپریل کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ یہ میگزین ایک محتاط اندازے کے مطابق دوصد ممالک میں پانچ لاکھ اُردو ادب کے باذوق قارئین تک پہنچتا ہے ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسے ویب سائٹ پر بھی پڑھتے ہیں۔اسے ای میل بھی کیا جاتا ہے۔دسمبر ۲۰۱۷ سے اسے پرنٹ بھی کیا جارہا ہے۔خاکسار نے حُسن ظنی سے کام لیتے ہوئے کئی باذوق احباب کی خدمت میں یہ میگزین پوسٹ کیا تھا۔تین ماہ سے کافی دوستوں کی طرف سے کوئی رقم موصول نہیں ہوئی جبکہ زرِ رفاقت صرف 30 پونڈز ہے۔اگر اس بار بھی کوئی کسی بھی دوست کی طرف سے جواب نہ آیا تو ترسیل بند کردی جائے گی کیونکہ کوئی بھی میگزین بغیر مالی معاونت کے نہیں چل سکتا۔اس سے پہلے کئی میگزین احباب کی بے حسی کی وجہ سے اپنی موت خود ہی مرچکے ہیں سب لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ پیغام اُن کیلئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے ہے۔میرا اکاؤنٹ نمبر مندرجہ ذیل ہے۔رقم بھجوائیں۔

Abdu khan HSBC a/c 04726979 sort code 400500

قندیل ادب انٹرنیشنل عنقریب مختلف شخصیات کے انٹرویو شائع کرنے کی منصوبہ بندی کررہا ہے۔کوئی بھی شخص اس میں شامل ہوسکتا ہے۔نیز اپنے کاروبار کی پبلسٹی بھی شائع کرواسکتا ہے۔نیز آپ اپنا کلام،کوئی واقعہ،کوئی کہانی بھی اس میں اپنی تصویر کے ساتھ شائع کرواسکتے ہیں۔یادرفتگان کے حوالے سے مضمون بھجوا سکتے ہیں۔ولادت اور بچوں کی آمین وغیرہ کا اعلان بھی شائع کروایا جاسکتا ہے۔اس میگزین کو فرقہ وارانہ مواد سے دور رکھنے کی کوشش جاری رہے گی۔آپ اپنا انٹرویو فون پر بھی دے سکتے ہیں۔کسی کتاب پر تبصرہ،کتاب کی رُونمائی کی روئیداد،کسی مشاعرے کی تفصیل،آپ شائع کرواسکتے ہیں۔یہ آپ کا اپنا میگزین ہے۔آزما کر تو دیکھیں۔میگزین پر فون نمبرز،ای میلز ایڈریس،گھر کا ایڈریس دیا گیا ہے۔فوراً رابطہ کریں۔اُردو ہماری پیاری زبان ہے۔

دنیا میں بولی جانے ولی زبانوں میں اس کا چوتھا نمبر ہے۔یہ میگزین میں آج تک پانچ ہزار شعراء اور ادباء کا کلام اور مضامین چھپ چکے ہیں۔میرے خیال میں ہم نے ہر طبقہ کے لوگوں سے انصاف کیا ہے۔انڈیا کی بارہ ریاستوں میں جہاں اردو بولی اور پڑھی جاتی ہے۔کلکتہ،اور بنگلہ دیش میں بھی کثرت سے یہ پڑھا جاتا ہے۔فی جی ماریشس،آسٹریلیا،افریقہ،برازیل،امریکہ،سرینام تک اس کی رسائی ہے۔اس میگزین کو زندہ رکھنے کے لئے آپ کی دعائیں اور تعاون کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔

والسلام

رانا عبدالرزاق خان

عذرا ناز

یوں سرِ فہرست اسمِ معتبر کو دیکھ کر
ہوگئے خاموش سب اُس کے اثر کو دیکھ کر
خاک پر بکھرے ہوئے تھے گھونسلے ٹوٹے ہوئے
سب پرندے اُڑ گئے کٹتے شجر کو دیکھ کر
اِس جگہ ہم بیٹھتے تھے، اِس جگہ لکھتے تھے ہم
یاد کیا کیا آگیا دیوار و در کو دیکھ کر
یوں تو سب ویسا ہی تھا لیکن وہاں پر ماں نہ تھی
آگئے آنکھوں میں آنسو اپنے گھر کو دیکھ کر
ہر طرف انسانیت کی آبرو خطرے میں ہے
کون زندہ رہ سکے گا ایسے شر کو دیکھ کر
کس نظر سے دیکھتا ہے، مرد کی نیت ہے کیا
بھانپ لیتی ہے یہ ہر عورت نظر کو دیکھ کر
جب یہ سوچا آخرت کے واسطے کیا پاس ہے
رو پڑی بے ساختہ زادِ سفر کو دیکھ کر
میں بھی اِک بیٹی کی ماں کو اِس طرح تو مت ڈرا
ڈر رہا ہے دل مرا بھی تیرے ڈر کو دیکھ کر
ڈاک سے بھیجی ہے جب سے اُس کو شوہر نے طلاق
تب سے ڈر جاتی ہے وہ ہر نامہ بر کو دیکھ کر

شاہین اختر شاہین

ان سے ہم دوستی کریں کیسے
ساتھ جو دو قدم نہیں چلتے
حالِ دل ان سے کہے جاتے ہیں
جو کوئی بات ہی نہیں سنتے
اپنی مشکل نہ کر سکے جو حل
دوسروں کے لئے وہ کیا کرتے
رازِ دل کس طرح کھلے اُن پر
کھل کے جو بات ہی نہیں کرتے
ہم اگر جان لیتے حالِ وفا
رُخ اُدھر کا نہ بھول کر کرتے
شعر کہنا سکھا دیا تم نے
ورنہ شاہیںؔ نہ جانے کیا کرتے

پنجاب رنگ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے (ٹیلفورڈ)

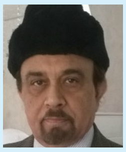

کوئی نہ پچھے پُتر باپو ویر نہ چاچے تائے
ہون تعریفاں گج وج جس گھر مایہ ڈیرے لائے
اندر بل دی اگ غماں دی چن چہرا مسکائے
ہو سکدی نہ ہر شے سونا لکھ چمکار دکھائے
سفنے راز نیازاں دے تعبیر سمجھ نہ آئے
عشق دی بولی سیّد وارثؔ مُڑ جے سمجھائے
دنیا تھاں تھاں امن دی خاطر بم بارود گرائے
اوّل آخر اِکو سائیں بِگڑی بات بنائے
کُھر چوں اُگیا ٹھنڈا اکھر سینے اگاں لائے
کوئی تے ویہڑے آن منورؔ آس امید بنھائے

امجد مرزا امجدؔ

نِت تلی اُتے جان رکھیں
دِل دیس اُتے قربان رکھیں
ایہہ پینڈے اوکھے لمے نیں
ہولا سِر تے سامان رکھیں
دُشمن نیں چار چفیرے ای
پکی توں آپ مچان رکھیں
کل کی ہووے کجھ خبر نہیں
پر کل دا خوب دھیان رکھیں
بنھ پلے جو کجھ بھننا ای
ہتھ پاویں سُکا نان رکھیں
جو گھر دی عزت بنیا اے
اس بندے دا وی مان رکھیں
ایہہ جیون سفر اے جنگل دا
توں ہتھ وِچ تیر کمان رکھیں
اِک ہور عدالت اُچی اے
اس دا وی خاص دھیان رکھیں
امجدؔ تاں سدا توں تیرا اے
توں یاد ایہہ میری جان رکھیں

اسلم چغتائی

دکھ سکھ ونڈیئے دلاں چوں کڈیئے نفرت دا شیطان
ایہو سبق سکھاوندے گرنتھ گیتا تے قرآن
ہندو مسلم سکھ عیسائی سب رب دے نیں بندے
دھرتی پاویں ونڈی گئی پر سانجھے نیں ارمان
لوہا اپنا منوایا، شاعراں تے فنکاراں نے
اقبال، فیض، رفیع تے گرداس مان
جگ توں نیارا دیس ایہہ ساڈھا سونا اُگلے دھرتی
ایتھے جمے نیں وڈے کھلاڑی تے پہلوان
موتی وانگوں سُچے لوکی رنگ برنگے موسم
دل دے کے یار تے مرنا لوکاں دی ایہہ شان
شعر ہووے کہانی یا فلماں ڈرامے چغتائی
سب رنگاں وِچ سجدی ساڈھی پنجابی زبان

ستنام کور

دعا

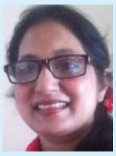

ہر اوکھت تے تینوں آواز ماراں
کرم اپنا میرے تے وار دینا
تیرے سوا نہیں ہے کوئی دین والا
مینوں نعمتاں لکھ ہزار دینا
تینوں واسطہ تیری رحمت دا اے
میری بگڑی قسمت سنوار دینا
جے ہون کدورتاں دل دے وچ
پھُل وانگوں اونہوں نکھار دینا
میں آواں ہر غریب دے کم
میرے دل نوں ایہہ اختیار دینا
میرے دکھاں دا شوہ دریا چڑھیا
میری بیڑی پار اتار دینا
متھا ٹیک ستنامؔ دُعا کردی
دل میرے نوں توں قرار دینا

شائق نصیر آبادی

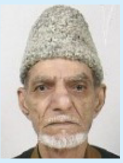

''پیار کتاب'' نوں کھول کے ویکھ
اس دے ورقے پھول کے ویکھ
کیہڑا پلڑا بھاری اے
تکڑی دے وچ تول کے ویکھ
اک پلڑے وچ یار بٹھا
دوجے آپوں جھول کے ویکھ
مَیں مَیں دی توں رٹ نہ لا
اکھ ضمیر دی کھول کے ویکھ
رولا تیری میری دا
دل دی گنڈھ نوں کھول کے ویکھ
اپنے آپ چے مست رہویں
''لو فار آل'' وی بول کے ویکھ
بندیاں دے وی حق پہچان
دل دی ہٹی کھول کے ویکھ
ہسن والیا ! رُل دیاں تے
شائقؔ آپ نوں رول کے ویکھ

مختار آذر کربلائی (باٹلے)

(پٹھواری غزل)

عشقے ناں اوکھا راہ سجناں
اس پاسہ کدیں نہ جاہ سجناں
میلاں نال مار کراہ سجناں
ایہہ کندھ دوری نی ٹھاھ سجناں
ککھاں آر تونہہ رُلی جاسیں!
ہوئی جاسیں ہور تباہ سجناں
ماڑھے دِلے کی اج لتاڑیا ای
جس راہ کوئی گاہنا گاہ سجناں
ماڑھے سویر کسے وی نہیں اشا
لوک اینویں دینے نی چھاہ سجناں
سب کوہلیاں کاھوٹے بھری جاسن
تونہہ باڑی دبی کے باہ سجناں
اک دہیاڑے ڈاہڈا پچھتاسیں
جس لے ایہہ گڑھی آ گاہ سجناں
ہُن تے آذر آگئے ساہ سجناں

ایم زیڈ کنول (لاہور)

ہنجواں دا اتبار گنوایا
زخماں دا دربار لگایا
تاریاں نُوں بُکّل چ بھر کے
ساہواں نوں ہمراز بنایا
شمس قمر توں سوز چُرا کے
ہاواں نوں دِلدار بنایا
سجدے دھوکھے، تسبیح دھوکہ
کیہہ شیطاناں روپ وٹایا
کنول کِھڑا کے چکڑاں دی تھاں
کنڈیاں وِچ گلزار کھڑایا

شہزاد اسلم (ہڈرز فیلڈ)

جنگ دیاں میداناں وچ
جتے آں سلطاناں وچ
زورآور رب ڈِھا اوس
ساڈیاں ماڑیاں جاناں وچ
خورے پھر گئے کیہڑے جِن
گھلیاں وچ، مکاناں وچ
ساڈے واسطے اُگی بھکھ
دیس دیاں کھلیاناں وچ
جھلے پارش لبھن پئے
شہر دیاں دوکاناں وچ

فاروق قریشی خاور

نِکی جئی گل دا گلان توں بنایا اے
پُرے دی ہوا دا طوفان تو بنایا اے
راہ جاندے بندے نوں میں حال وال پچھیا
اِنہوں چا کے جان نے پچھان تو بنایا اے ؟
سوہنیا جے اِک واری بُھل میتھوں ہو گئی
مینوں بے وفائی دا نشان توں بنایا اے
لوکی جھدے ناں دیاں قسماں کھاندے نیں
اونہوں بڑا وڈا بے ایمان تو بنایا اے
بھولیا رقیباں نے کُراہ تینوں پا لیا
ویریاں نوں اج اجر جند جان توں بنایا اے
پاک صاف دل سی خدا تینوں بخشیا
خاور آپوں ایس نوں شیطان توں بنایا اے

سعداللہ شاہ

اک دکھ اپنے ہرنے دا
اِک دکھ کجھ وی نہ کرنے دا
اک دکھ اپنے جیون دا
اک دکھ اپنے مرنے دا
خوشیاں دے وچ رہ کے وی
اک دکھ ایوں ڈرنے دا
جان پچھان دے رستے تے
اک دکھ پیر نوں دھرنے دا
شاہ جی من دریا دے وچ
اک دکھ اُلٹا ترنے دا

نعت

مسعود چودھری جرمنی

حضور ایسا نکھار بخشو
خزاں دی رُتے بہار بخشو
بلالؓ حبشی دا عشق دیوو
ابوہریرہؓ دا پیار بخشو
اویسؓ قرنی دا جذبہ منگاں
حسان ورگے اشعار بخشو
خیال رومیؒ تے جامیؒ ورگے
سلمانؓ ورگا وقار بخشو
کھڑن درودوں لباں تے غنچے
دِل و نظر نوں قرار بخشو
نہ حرف موسم گواچ جاواں
قلم نوں سچے وچار بخشو
درود حرفاں چ نور آوے
شعور نوں اعتبار بخشو
ہے سوچ پنچھی دی سوڑی وانگن
فلک تو اُچی اُڈار بخشو
حضور درشن دا دان کر کے
مرید اکھیاں نو ٹھار بخشو
کدورتاں دا کھڑے نہ چنبہ
محبتاں دا ویہار بخشو
تہاڈا مسعودؔ رہے تہاڈا
عنائتاں دی پھوہار بخشو

نکہت افتخار

اس کا معمول ہے ہرروز شکایت صاحب
مجھ پہ لازم ہے کہ دیتی ہے وضاحت صاحب
آسمانوں کو مرے چھین لیا، اس کے عوض
دی گئی ہے مجھے اک چھت کی سہولت صاحب
ہائے زنداں کی گھٹن میں ترا احسان مجھ پر
سانس لینے کی مجھے دے دی اجازت صاحب
دھوپ برسات سے پھیکے نہیں ہونگے ہرگز
اپنے رنگوں کی میں دیتی ہوں ضمانت صاحب
جنگ جیتی ہے انا کی سو وہ مسرور پھرے
میں بھی دفنانے کو بیٹھی ہوں محبت صاحب
میں منافق تو بہر حال نہیں ہو سکتی
جب نہ ایمان رہا، کیسی اطاعت صاحب
تم میں دم ہے تو کرو ختم تعلق مجھ سے
کر رہی ہوں میں سرِ محفل بغاوت صاحب
کبھی نکہتؔ کبھی آنسو، کبھی پتھر کر دے
وہ دباؤ ہے کہ بدلے مری ہیئت صاحب

ناصر کاظمی

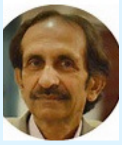

قرار پاتے ہیں آخر ہم اپنی اپنی جگہ
زیادہ رہ نہیں سکتا کوئی کسی کی جگہ
بنانی پڑتی ہے ہر شخص کو جگہ اپنی
ملے اگرچہ بظاہر بنی بنائی جگہ
دل ونظر کی جو بچھڑے ہوئے تھے مدت سے
ہوئی ہے آج ملاقات اک پرانی جگہ
ہیں اپنی اپنی جگہ مطمئن جہاں سب لوگ
تصورات میں اپنے ہے ایک ایسی جگہ
یہاں نہ جینے کا وہ لطف ہے نہ مرنے کا
کہا تھا کس نے کہ آکر رہو پرائی جگہ
گلہ بھی تجھ سے بہت ہے مگر محبت بھی
وہ بات اپنی جگہ ہے یہ بات اپنی جگہ
نہیں ہے سہل کوئی جانشینِ قیس ملے
پڑی ہوئی ہے بڑی دیر سے یہ خالی جگہ
کئے ہوئے ہے فراموش تو جسے ناصرؔ
وہی ہے اصل میں تیرا مقام تیری جگہ

عبدالکریم قدسیؔ

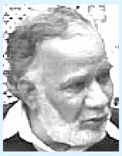

شام ہوئی جاتی ہے سائے ڈھلتے ہیں
آپ تو شاید بیٹھیں گے ہم چلتے ہیں
ہم دل والوں کے بھی طور نرالے ہیں
انگارے کھاتے ہیں پھول اُگلتے ہیں
گرنے والے! کیوں اتنا گھبراتا ہے
گرنے والے آخر کار سنبھلتے ہیں
میں لوگوں کی شہرت پر خوش ہوتا ہوں
لوگ میری رُسوائی سے بھی جلتے ہیں
گرگٹ بس اک رنگ بدلنے کا مجرم ہے
لوگ تو ہر موسم میں ذات بدلتے ہیں
تاریکی میں ڈوبتے جاتے ہیں ہم لوگ
تاریکی سے جتنا بچ کر چلتے ہیں
امن کے راہی ہیں ہم لوگ مگر قدسیؔ
تلواروں کے سائے سائے چلتے ہیں

عاصی صحرائی

کروڑوں خانماں برباد ہیں تیری عداوت میں
خدا محفوظ رکھے وہ جو چپ رہتے ہیں فراست میں
نہ کام آیا جوشِ جنوں بھی وقتِ پیری میں
خرد نے مسئلے سب سُلجھا دیئے اپنی اطاعت میں
اُلجھتی جارہی ہے کارِعصیاں میں حیات اُن کی
سنائے جائیں گے کچھ تذکرے اُن کی خباثت میں
اُخوت کیسے اُبھرے گی جہاں جہلا کے ہوں پہرے
کتب خانے فروخت کردیئے دیں کی اہانت میں
عموماً خوش رہا انسان ہیجانی ارادوں سے
شرافت کو گرا ڈالا مبہوم شہرت میں
کبھی ویرانیاں دشتِ جنوں میں ساتھ چلتی ہیں
کبھی تنہائیاں ہیں اپنی رفاقت کی ضمانت میں
بشر کو تو نقیبِ حضرتِ انساں ہونا تھا
کہاں بھٹکا دیا گیا کبر کی اُس ضلالت میں
خدا محفوظ رکھے عزمِ عاصیؔ کے ارادوں کو
کہیں اُلجھا دیا جائے نہ حکموں کی خیانت میں

مسلم سلیم

مضطرب ہو کے پوچھا پتہ شہر میں
ہے کدھر امن کا راستہ شہر میں
کھائیں اے سی کی بے شک ہوا شہر میں
کیا ملے گا صبا کا مزہ شہر میں
کالی سڑکوں کی ندیاں یہاں ہیں رواں
دشت ہے اک عمارات کا شہر میں
اب پڑوسی پڑوسی سے واقف نہیں
چل پڑی ہے کچھ ایسی ہوا شہر میں
ہوگئے لیس وہ جھوٹ سے مکر سے
اب تو بن جائے گا دبدبہ شہر میں
سب کی الفت کا محور بس اک آپ ہیں
کیوں نہیں آپ سا دوسرا شہر میں
دور بینوں سے ڈھونڈا گیا ہر طرف
تب کہیں جاکے مسلم ملا شہر میں

شخص اچھا تھا مگر اُس کی رفاقت نے مجھے
وقت سے پہلے کیا عمر رسیدہ مجھ کو

بشارت احمد بشارت

تینوں پیار دا سادھو لبدا
میرا دل بے قابو لبدا
تیری اکھ دا کھلا سمندر
میرے ورگا تارو لبدا
جیہڑا ہجر دا روگ مٹاوے
میرا عشق اوہ دارو لبدا
جیہڑا سینے رکھ کے سوواں
میں تیرا اوہ بازو لبدا
چڑھ جاوے تے فیر نہ لتھے
وصل دا ایسا جادو لبدا
عشق دیوانہ مارو تھل توں
پیار دا پانی واڈھو لبدا
تیرے ورگی نویں بشارت
میرا شوق بے قابو لبدا

فرحت خان

کوئی ناخدا یا سہارا نہیں ہے
سمندر ہے ہر سُو، کنارہ نہیں ہے
کہاں کھو گیا ہے وہ رہبر ہمارا
فلک پہ وہ روشن ستارہ نہیں ہے
ہیں کیوں مندمل آج سورج کی کرنیں
شعاعوں نے موسم نکھارا نہیں ہے
وہی چاندنی، چاند تارے وہی ہیں
مگر دلنشین سا نظارا نہیں ہے
جو کچھ ہو رہا ہے وطن میں ہمارے
ہمیں ناخدا وہ گوارا نہیں ہے
کہاں سب کو ملتے ہیں نایاب گوہر
تمہیں پا کے کھونا گوارا نہیں ہے
وہ جس نے گرایا تھا نظروں سے فرحتؔ
اُسے دل سے ہم نے اُتارا نہیں ہے

سلیم انصاری

اپنے زخموں کی قبا سے ٹوٹتا رشتہ مرا
کتنے شعروں سے چرا لے جائے گا لہجہ مرا
جسم کے شوکیس میں محفوظ رکھوں گا اسے
زندگی واپس تو کر ٹوٹا ہوا چہرا مرا
جی میں آیا اپنی ساری انگلیاں ہی توڑ دوں
گاؤں کے میلے میں جب گم ہو گیا بچہ مرا
خودکشی کرنے کی خاطر گھر سے نکلا ہوں مگر
آ کے تنہائی مری، خود روک لے رستہ مرا
ہنس پڑے جب میرے اندر درد کے تازہ گلاب
قہقہوں کی بھیڑ میں مرجھا گیا چہرہ مرا

پروفیسر عبدالقدیر کوکب

میرا درد دل کے قریب ہے
کہ یہ درد بھی تو عجیب ہے
میں کسی سے شکوہ کروں تو کیا
میرا اپنا ہی تو نصیب ہے
مجھے دُشمنوں سے گلہ نہیں
یہاں اپنا ہی تو رقیب ہے
میں تو چاہتا تھا کہ چپ رہوں
دل رو پڑا، یہ غریب ہے
جیسا بھی اس کا سلوک ہو
وہ پھر بھی میرا حبیب ہے
مجھے آس اپنوں سے تھی مگر
میری سوچ، کتنی عجیب ہے
کوکبؔ کرو اب صبر ہی
شاید یہی کہ نصیب ہے

یہ کس کا حسن جھلکتا ہے میرے شعروں میں
نقاب کس نے الٹ دی مرے خیالوں میں

محسن نقوی

قتل چھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے بیچ
اب تو کھلنے لگے مقتل بھرے بازار کے بیچ
اپنی پوشاک کے چھن جانے پہ افسوس نہ کر
سر سلامت نہیں یہاں دستار کے بیچ
کاش اس خواب کو تعبیر کی مہلت نہ ملے
شعلے اُگتے نظر آئے مجھے گلزار کے بیچ
رزق، ملبوس، مکان، سانس، مرض، قرض، دوا
منقسم ہوگیا انساں انہی افکار کے بیچ
دیکھے جاتے نہ تھے آنسو مرے جس سے محسنؔ
آج ہنستے ہوئے دیکھا اسے اغیار کے بیچ

شگفتہ شفیق

محبتوں کے جو دریا اُترنے لگتے ہیں
دیے کی طرح سرِ شام جلنے لگتے ہیں
علاج اِس کا کوئی چارہ گر بتائے مجھے
وہ اپنی باتوں سے خود ہی مکرنے لگتے ہیں
ہمیں تو بس یہی سب نے یہاں بتایا تھا
وہ پل کے پل میں رویے بدلنے لگتے ہیں
وہ تیری میٹھی سی باتیں ہمیں ستاتی ہیں
جو آئینے میں کبھی ہم سنورنے لگتے ہیں
بھلے ہی روک لیا خود کو ہم نے ملنے سے
جو یاد آئے تری، ہم بکھرنے لگتے ہیں
ہمیں وہ بام وہ کھڑکی بلاتی ہے پھر سے
جو اب بھی تیری گلی سے گزرنے لگتے
ہیں مسکراتے ہوئے اُس کو دیکھ پاتے نہیں
قریبی دوست شگفتہ کے جلنے لگتے ہیں

ملتے ہوئے دلوں کے بیچ اور تھا فیصلہ کوئی
اس نے مگر بچھڑتے وقت اور سوال کر دیا

انور ظہیر برلن جرمنی

ہر سمت جہاں میں آگ لگا رہا ہے کوئی
سُرخ لہو سے زمیں سجا رہا ہے کوئی
محبتیں اختلاف بن رہی ہیں یہاں
ہمارے بیچ کیا نفرتیں اُگا رہا ہے کوئی
طلوعِ صبح میں نشۂ خواب لینے والو
اب اُٹھ بھی جاؤ کہ تم کو جگا رہا ہے کوئی
زمین تنگ کردی ان زمیں والوں نے
نشاں مزار کے بھی اپنے مٹا رہا ہے کوئی
نہ سمت ہے نہ راہ ہے نہ منزلِ رہبر
ہوا کے رُخ پر تجھ کو بلا رہا ہے کوئی

وسیم بٹ نیروبی

حکم صادر ہواؤں کا ہوگا
رنگ سہا گھٹاؤں کا ہوگا
بادلوں میں رہیں گے اور یہاں
اک بسیرا دعاؤں کا ہو گا
اس زمیں پر نہ بھاگ پائیں گے
زخم ہوگا تو پاؤ ں کا ہوگا
کوئی باشندہ گھر نہ لوٹے گا
سامنا جب فضاؤں کا ہوگا
موت کھیلے گی اور جدا اسلوب
زندگی کی اداؤں کا ہوگا

حباب ہاشمی الہ آباد

حریص طعنۂ اغیار رہنا
غریق لذتِ آزار رہنا
بہر صورت نہیں خطرے سے خالی
قریب سایۂ دیوار رہنا
ہمارے واسطے کچھ کم نہیں ہے
نگاہوں میں کسی کی خار رہنا
سراپا عجز رہنا ہے سعادت
مگر ایسے میں بھی خوددار رہنا
لچکنا شاخِ گل کی طرح لیکن
عدو کے سامنے تلوار رہنا
خرد کو خود ہی بغلیں جھانکتی ہیں
جنوں سے بر سرِ پیکار رہنا
حباب اس دور میں آساں نہیں ہے
کسی کا صاحبِ کردار رہنا

صدیقہ شبنم لندن

کوچہ کوچہ آرزو کے شہر میں چرچا رہا
میرا ذوقِ جستجو بھی کس قدر رُسوا رہا
یاد کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے اس طرح
بس نظر کے سامنے وہ ایک ہی چہرہ رہا
گو کہ اپنی ذات سے ہے یہ سراپا انجمن
محفلوں میں دل مرا لیکن بہت تنہا رہا
رات کی انجانی طاقت سے ہراساں لوگ تھے
سب کے ذہنوں میں مسلط خوف کا سایہ رہا
ہم اپنی ذات سے شبنم نہ کھل کے مل سکے
مصلحت اندیشوں کا درمیاں پردہ رہا

رؤف خیر حیدرآباد دکن

کہاں سے روکتا یہ پردہ غبار مجھے
کہ دیکھنا ہے پہاڑوں کے آر پار مجھے
مرے سوا کوئی پورا کہاں اُترتا ہے
بہت ٹٹول چکی ہے نگاہِ یار مجھے
جو پارسا تھا مجھے پارسا نہیں سمجھا
گناہ گار نے سمجھا گناہگار مجھے
اسی لئے تو برابر کی چوٹ چلتا ہوں
یہاں کہیں کا رکھے گا انکسار مجھے
خدا گواہ کہ قائل تو میں قصاص کا ہوں
ہے خوں بہا کا بھی ہرچند اختیار مجھے
میں دشمنی کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا
سو راس آتا نہیں ہے یہ کاروبار مجھے
وہ ہو تو ہو کوئی مجبور خیر میں تو نہیں
نہ پائے گا تو کسی کا گلا گزار مجھے

حمیدہ معین رضوی

شوقِ منزل اس قدر تھا معاملہ چلتا رہا
یوں سفر جاری رہا اور قافلہ چلتا رہا
بزم گاہِ فکر وفن سے جلوہ گاہِ عشق تک
سازشوں کا اور حسد کا سلسلہ چلتا رہا
کچھ ہیں ٹوٹی آرزوئیں اور کچھ ناکامیاں
یہ وفاؤں کا صلہ تھا یہ صلہ چلتا رہا
چل رہے ہیں رازِ منزل کی خبر کوئی نہیں
فاصلہ جتنا تھا اتنا فاصلہ چلتا رہا
میں نے چاہا بھی نہ تھا پھر جانے کیسے ہوگیا
شہرِ دل میں کشمکش کا مرحلہ چلتا رہا
کم رہے مومن مگر حق کے لئے لڑتے رہے
اس لئے ہر عہد میں اک کربلا چلتا رہا
سنگلاخوں سے گذرنا اتنا تو آساں نہ تھا
کرب کا اور خواب کا تھا فیصلہ چلتا رہا
دل کے کھنڈر میں لہو کا جو دیا ہے جل رہا
حوصلے کی ہے علامت حوصلہ چلتا رہا
وقت کے دریا میں کشتی زیست کی بہتی رہی
عشق کا اور عقل کا وہ مسئلہ چلتا رہا

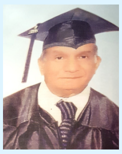

ڈاکٹر ساحرؔ شیوی

دل میں جتنے بھی ہیں ارماں لے کر آ
میرے چمن میں فصلِ بہاراں لے کر آ
ہم بھی تیرے نقشِ قدم پر چلتے رہیں
آنا ہے تو سیرتِ انساں لے کر آ
تجھ سے وابستہ ہیں اُمیدیں لوگوں کی
ہر محفل میں پیار کا ساماں لے کر آ
ذرہ ذرہ تاریکی میں ڈوبا ہے
روشنیوں سے بھر کر داماں لے کر آ
بات نہ کر ایسی جس کا سر پیر نہ ہو
جو پورے ہو عہد و پیماں لے کر آ
قسمت پر تکیہ کرنے کی بات نہ کر
تدبیریں بھی ساتھ میں ناداں لے کر آ
انسانوں کی ہستی میں شیطاں بھی ہیں
ان کیلئے پیغامِ یزداں لے کر آ
بجھے بجھے دل ہیں سب سے اس محفل میں
ساحرؔ اپنی فکرِ فروزاں لے کر

بانو ارشد

رُخ پر جب آنسوؤں کا سمندر بکھر گیا
اس شوخ کا تو اور بھی چہرہ نکھر گیا
ایسا بنایا زینہ سا لہروں نے بحر میں
دل کا سفینہ خود ہی بھنور میں اتر گیا
دل کو اُداس کرکے نہ بیٹھو فراق میں
”تم جس ہوا میں ہو، وہ زمانہ گزر گیا“
اک شخص زندگی میں ملا تھا ہمیں کہیں
منزل سے پہلے چھوڑ کے جانے کدھر گیا
کیوں نہ ہجومِ یاس سے بانوؔ ہو مضطرب
ایسی اندھیری رات تھی جگنو بھی ڈر گیا

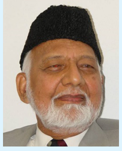

سیّد ریاست عباس رضوی

شعلہ ہوں بھڑکنے کی جسارت نہیں کرتا
میں آگ لگانے کی شرارت نہیں کرتا
خوابوں میں چلا آتا ہے تصویر کی صورت
وہ مجھ کو جگانے کی جرأت نہیں کرتا
گر جاتا ہے اِک روز زمانے کی نظر میں
جو ظلم تو کرتا ہے محبت نہیں کرتا
کانٹوں کو بھی سینے سے لگاتا ہوں چمن میں
میں تو کسی دشمن سے بھی نفرت نہیں کرتا
ہر محفلِ زردار سے رہتا ہوں گریزاں
میں جھوٹے خداؤں کی زیارت نہیں کرتا
جس کام سے آنچ آئے کبھی میرے وطن کو
وہ کام مرے دوست ریاستؔ نہیں کرتا

سائرہ بتول

وحشتِ کوچہ و بازار سے ڈر جاتی ہوں
دھوپ میں سایۂ دیوار سے ڈر جاتی ہوں
موت کے خوف سے جینے کا ارادہ جو کیا
زیست کے رستۂ پُر خار سے ڈر جاتی ہوں
اے شبِ ہجر نہیں تجھ سے گلہ اور کوئی
میں تری زلفِ طرحدار سے ڈر جاتی ہوں
کوئی طوفاں مرے قدموں کو ہلا دے کیسے
میں تو بس اپنے ہی پندار سے ڈر جاتی ہوں
بزمِ انجم میں سبھی اپنا ستارہ ڈھونڈیں
میں ترے طالعِ بیدار سے ڈر جاتی ہوں
کس طرح بزم میں دیتی ہوں تجھے اِذنِ کلام
میں تری جرأتِ اظہار سے ڈر جاتی ہوں
ڈر تو لگتا ہے مجھے صرف عزیزوں سے بتولؔ
کون کہتا ہے میں اغیار سے ڈر جاتی ہوں

سبینہ سحر

کون سے درد کی شدت نے مجھے مار دیا
میرے ہی عشق کی عجلت نے مجھے مار دیا
کوئی اب آئے مرے غم کا مداوہ کرنے
بے وجہ ہنسنے کی عادت نے مجھے مار دیا
تیر لگنے کا نظارہ ہی کچھ ایسا تھا کہ بس
زخمی پنچھی کی اس حالت نے مجھے مار دیا
نیم بسمل ہی کیا جاں سے نہ مارا مجھ کو
ایسے دشمن کی عنایت نے مجھے مار دیا
درد دنیا کا میرے دل میں سماتا ہی گیا
درد سہنے کی ریاضت نے مجھے مار دیا
خونِ دل آنکھوں سے اشکوں کی جگہ بہنے لگا
روتے رہنے کی سہولت نے مجھے مار دیا
راز ہر ایک مرا سب پہ عیاں کرتی ہے
میری آنکھوں کی ندامت نے مجھے مار دیا
سارے الزام مجھے اپنے ہی سر لینے پڑے
خامشی تیری سہولت نے مجھے مار دیا
اپنے دشمن سے میں کب ہارنے والی تھی مگر
دوستو میری مروّت نے مجھے مار دیا
سانس جاتی ہے، سحرؔ پھر بھی نہیں آتی ہے
میرے احساس کی ظلمت نے مجھے مار دیا

رُخسانہ رُخشی

یہ میری فکر و نظر کو اُجال کس نے دیا
نئی اک نگاہ، نیا اک خیال کس نے دیا
رُخِ حیات کو حسن و جمال کس نے دیا
یہ شوق و ذوق، یہ فکر و خیال کس نے دیا
میں سوچتی ہوں ہر اک سمت انتشار ہے کیوں
تم ہی کہو کہ مجھے یہ سوال کس نے دیا
تلاشِ آب میں صحرا کی خاک چھانتے ہیں

مسافروں کو سرابوں کا جال کس نے دیا
یہ رنگِ نو کے دریا بہا دیئے کس نے ؟
کلی زمین کو فلک کو ہلال کس نے دیا
کوئی تو ہوگا پسِ پردۂ جہاں ورنہ
ہر اک شئے کو عروج و زوال کس نے دیا
اگر خوشی سے عبارت تھی زندگی میری
تو پھر آئینۂ دل کو بال کس نے دیا
نہ جانے رہتی ہیں پُر آب کیوں میری آنکھیں
نہ جانے دل کو یہ رنج و ملال کس نے دیا
ہوں ماہتاب صفت میں اور آفتاب ہو تم
مجھے جمال تو تم کو جلال کس نے دیا
نہ تھا اشارہ کوئی غیب سے تو رخسانہؔ
یہ شعر کہنے کا تجھ کو کمال کس نے دیا !!

اشتیاق زین

ستم کو اب کرم کہنا، خموشی کو بیاں لکھنا
ہمیں بھی آ گیا آخر حقیقت کو گماں لکھنا
لہو مجھ کو رلاتی ہے یہ عادت اس کی برسوں سے
محبت کو سزا کہنا، وفا کو داستاں لکھنا
شکایت بے ارادہ تھی، اِسے آشفتگی کہہ لو
وگرنہ ہم نے چاہا تھا تمہیں بھی مہرباں لکھنا
چڑھا دو شوق سے سولی، نہیں منظور یہ پھر بھی
جو سورج سر جلائے ہے، اُسی کو سائباں لکھنا
لگا کر تہمتیں صدہا تعلق توڑنا، آساں
بہت دشوار ہے لیکن، وفائے جاوداں لکھنا
نہیں یہ جوشِ وحشت تو بتاؤ پھر بھلا کیا ہے؟
زمانے پر عیاں ہے جو، اسی کو بے نشاں لکھنا
غمِ جاناں نے سکھلایا، غمِ ہستی بیاں کرنا
مجھے آتا ہی کب تھا زینؔ دردِ بے کراں لکھنا

انجم شہزاد انجم

میرے حقوق کو پائمال کرنے والے ہیں
فقیہِ شہر کوئی چال چلنے والے ہیں
ہمیں نے دُکھ کے الاؤ میں ہات ڈالا ہے
ہمیں سے درد کے رشتے نکلنے والے ہیں
کسی نے چھین لیا ہے کسی کی آنکھ کا نُور
کسی کے ہات سے دو ہات کٹنے والے ہیں
میرے لہو میں ہیں شامل محبتیں تیری
چراغ جن سے وفاؤں کے جلنے والے ہیں
ٹھہر سکو تو ذرا مُڑ کے دیکھ لینا انہیں
وہ لوگ جو کہ تیرے ساتھ چلنے والے ہیں
ہمیں امید کہ ساحل سے لوٹ جانا ہے
وفا کے شہر کے موسم بدلنے والے ہیں
مرے وطن کی سیاست شکارِ سازش ہے
ہمارے ملک کے نقشے بدلنے والے ہیں
جو جل رہا ہے لہو سے چراغ تو کیا ہوا
اِسی سے کتنے دِیئے بھی سلگنے والے ہیں
سنبھل کے گھر کے چراغوں کو دے ہوا انجمؔ
چراغ کتنے ہواؤں میں جلنے والے ہیں

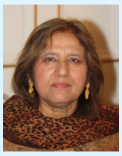

پاکیزہ بیگ

وہ شاعر ہے جو شمعوں کو بھی پروانہ بنا ڈالے
محبت خود کرے اوروں کو دیوانہ بنا ڈالے
ذرا سی بات میں دل کا لہو بھرنے لگے کوئی
قلم کو چوٹ لگ جائے ، وہ افسانہ بنا ڈالے
تمہاری آنکھ میں ڈوبا ہوا ہے زُہد اور تقویٰ
یہ مسجد کی طرف دیکھے تو میخانہ بنا ڈالے
دلوں کی بات ہے، ان کی اگر سرحد کہیں مل جائے
جو گولی بھی چلے ، چاہت کا پروانہ بنا ڈالے
چلو اک میز پر اب دل کے ٹکڑے جوڑنے بیٹھیں
یہ دردِ مشترک نفرت کو یارانہ بنا ڈالے
یہ قاتل پڑھ کے ہیں نکلے ہوئے کیسے سکولوں سے
ہر اک کہتا ہے اس بستی کو ویرانہ بنا ڈالے
ہماری نعش کو کھینچے پھرو غالب کی گلیوں میں
محبت مقتلوں کو کوئے جانانہ بنا ڈالے
فقط چیزیں نہیں ہوتیں، دھڑکتے دل بھی ہوتے ہیں
یہی اخلاص اک کٹیا کو شاہانہ بنا ڈالے
کوئی ایثار ایسا ہو جسے دنیا کہے وہ وا
کوئی میداں میں آ کر ایک پیمانہ بنا ڈالے
چھتوں میں دب کے مرنے سے تو بہتر ہے کہ پاکیزہؔ
عمارت خود گرا کر کوئی کاشانہ بنا ڈالے

خورشید پرویز

ہم ترے ظلم کی تشہیر نہ ہونے دیں گے
کوئی چاہے بھی تو تحقیر نہ ہونے دیں گے
انقلاب آئے کوئی چرخِ کہن ٹوٹ پڑے
ہم کسی اور کی توقیر نہ ہونے دیں گے
کہیں دیکھے نہ کوئی دل کے تڑپنے کا سماں
ہم اس بات کی تدبیر نہ ہونے دیں گے
گلستاں مہک اُٹھے ابرِ بہاراں جھومے
ہم تو جذبات کی تفسیر نہ ہونے دیں گے
ہم نے چاہا تھا بہت دل میں بسایا تھا تجھے
ہم تری چاہ کو دل گیر نہ ہونے دیں گے
یوں تو شاید ترے پہلو میں کوئی یاد نہ ہو
یادِ گم گشتہ کو تسخیر نہ ہونے دیں گے
اے مرے چاکِ گریباں ہو تری عمر دراز
ہم کسی خواب کی تعبیر نہ ہونے دیں گے

جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی
مرزا غالبؔ

چمن لال چمن

سانس کی ڈوری بال برابر ہوتی ہے
دھڑکن کی لے تال برابر ہوتی ہے
تیری یادیں جیون کا سرمایا ہیں
ان کی سب سنبھال برابر ہوتی ہے
ماں کا سایا ہوتا ہے جب تک سر پر
ماں کی ممتا ڈھال برابر ہوتی ہے
جب مُرلی کی کنٹھ لگاتی ہے رادھا
مُرلی دھر گوپال برابر ہوتی ہے
یار سے بچھڑے رہنے کی اِک آدھ گھڑی
جانے کتنے سال برابر ہوتی ہے
جیسا بیجو گے ویسا پھل پاؤ گے
کرموں کی پڑتال برابر ہوتی ہے
آسمان پر چاند ستاروں کی شوبھا
پوجا کے اِک تھال برابر ہوتی ہے
جن پیڑوں پر پنچھی چہک رہے ہوں گے
جھوم رہی ہر ڈال برابر ہوتی ہے
بیوی اور محبوبہ میں ہے فرق یہی
گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے

ابراہیم رضوی

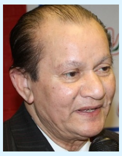

کبھی میں کہکشاں بردوش ایوانوں سے گزرا ہوں
کبھی روحی کے رشکِ خلد کا شانوں سے گزرا ہوں
کبھی سر رکھ دیا ہے بے خودی میں سنگِ اسود پر
سکونِ دل نہ ملنے پر صنم خانوں سے گزرا ہوں
جہانِ شبنم و گل میں پذیرائی تو آساں تھی
مگر یہ شوقِ آوارہ کہ ویرانوں سے گزرا ہوں
کہاں کی بزم آرائی کجا پیمانہ و ساغر
زوالِ فہم و دانش پر عزاخانوں سے گزرا ہوں
پیام کفر و باطل میں کشش ہوتی تو کیا ہوتی
حرم کی کم نگاہی تھی کہ بت خانوں سے گزرا ہوں
بہ چشمِ نم بہت رسوائیاں جھیلیں حرم والو
شکایت کیا کہ غم خانوں سیہ خانوں سے گزرا ہوں
گزر ممکن تو تھی بزمِ نگارانِ خود آرا میں
یہ عزمِ چاکِ دامانی کہستانوں سے گزرا ہوں

اشرف عطارد

مجھے اپنی محبت کا صلہ گر مل گیا ہوتا
نہ تم ہوتے نہ غم ہوتا مجھے حل مل گیا ہوتا
محبت میں کبھی تم جھانک لیتے وفا اپنی
خوشی کا اب تلک کوئی پھل مل گیا ہوتا
کوئی دل میں اب اترے لگائے ہاتھ پہ مہندی
محبت کا کوئی تحفہ اب تک مل گیا ہوتا
چاہت بھی نہ کم ہوتی غم بھی سب ضم ہوتے
گریباں چاک ہو جاتا یہ دل ڈھل گیا ہوتا
محبت بھی شفاف ہوتی پاک ہوتا دامن بھی
دل کی موجوں کو یہ ساحل مل گیا ہوتا
غافل ہوں کہوں میں کیا کروں اب جستجو تیری
عطاردؔ کو تیری شفاعت کا سہارا مل گیا ہوتا

محمد اسلم چغتائی

یاد اُن کی دل میں بسائے جاتے ہیں
غم اپنوں کے اُٹھائے جاتے ہیں
چاہا تھا جنہیں دل و جاں سے کبھی
وہی نظریں چرائے جاتے ہیں
جنہیں کرنی تھی گلشن کی رکھوالی
وہی آج اسے لٹائے جاتے ہیں
کرتے تھے جو باتیں پیار کی ہی
وہی دل کو جلائے جاتے ہیں
کب آئے گی عقل تجھے چغتائی
کب سے ہم سمجھائے جاتے ہیں

مظفر احمد مظفر

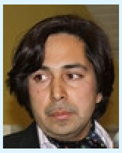

چھلکے تھے کبھی جام مجھے یاد نہیں
اے گردشِ ایام ! مجھے یاد نہیں
اِک صورتِ زیبا تھی مجھے یاد ہے لیکن
تھا اُس کا کوئی نام مجھے یاد نہیں
مہتاب کی صورت تھا کوئی پیکرِ پُر نور
اُترا تھا سرِ بام مجھے یاد نہیں
میں تھا یا کوئی مجھ سا کہیں خاکِ بہ صحرا
روتا تھا سرِ شام مجھے یاد نہیں
کچھ لوگ مجھے لے کے چلے تھے سرِ مقتل
پھر کیا ہوا انجام مجھے یاد نہیں
پھر پوچھنے آئی ہو مظفرؔ کا پتا تم
کہہ تو دیا "مادام" مجھے یاد نہیں

مبارک احمد صدیقی

مانا کہ وہ بھی آج تک مانا تو ہے نہیں
ہم نے بھی اُسکے شہر سے جانا تو ہے نہیں
رکھی ہے کوئے یار کی مٹی سنبھال کے
اس سے بڑا زمیں پہ خزانہ تو ہے نہیں
کچھ لوگ تیرے شہر کے خنجر بدست ہیں
کچھ ہم نے بازِ عشق سے آنا تو ہے نہیں
کہتے ہیں لوگ اُن سے کہو جا کے حالِ دل
اب ہم نے اپنی جان سے جانا تو ہے نہیں
خانہ بدوش لوگ ہم دنیا کو کیا کریں
دنیا سے لے کے ساتھ کچھ جانا تو ہے نہیں
اک زخم زخم قوم سے درویش نے کہا
تم نے کسی کی بات کو مانا تو ہے نہیں

جرمِ وفا پہ لائے ہیں مقتل میں وہ ہمیں
اب اُن کے پاس اور بہانہ تو ہے نہیں
ملتے ہیں جس خلوص سے ہم ہر کسی کے ساتھ
ویسے یہ اس طرح کا زمانہ تو ہے نہیں
کچھ اس لئے بھی آج تک روٹھے نہیں ہیں ہم
آ کے ہمیں کسی نے منانا تو ہے نہیں
اپنا سنا کے حال اُسے کچھ نہ پوچھنا
اُس کم سخن نے کچھ بھی بتانا تو ہے نہیں

مشتاق سنگھ

جسے اپنا سمجھتا ہوں بیگانہ ہو ہی جاتا ہے
ہمیشہ دل نگاہوں کا نشانہ ہو ہی جاتا ہے
جسے میں پوجتا ہوں ایک پتھر کی طرح دل میں
وہی دل توڑ کے میرا روانہ ہو ہی جاتا ہے
نہ اپنوں سے شکایت ہے نہ غیروں سے کوئی شکوہ
یونہی ناراض ہم سے یہ زمانہ ہو ہی جاتا ہے
تمہاری یاد کی پروائیاں جب جھوم کے آئیں
غموں سے بھیگتا موسم سہانا ہو ہی جاتا ہے
زمانہ ہو گیا یوں تو ہمارے گھر اُنہیں آئے
مگر خوابوں میں ان کا آنا جانا ہو ہی جاتا ہے
بہت سوچا ہے تم سے دور رہ کر کیا کریں گے ہم
مگر جینے کا پھر کوئی بہانہ ہو ہی جاتا ہے

پروفیسر محمد شریف بقاؔ

ہم کو سدا تلاش تیری کو بہ کو رہی
ہر سمت تیرے حسن کی ہی جستجو رہی
اپنی نظر میں غارتِ گلشن کے باوجود
تصویرِ فصلِ گل ہی سدا روبرو رہی
ہنگامۂ حیات کا باعث رہے ہیں وہ
جن کو دوامِ زندگی کی آرزو رہی
ہم جانتے ہیں چارۂ آلامِ روزگار
ہم کو بھی نہ حاجتِ جام و سبو رہی
حسرت سرائے دہر میں اے دوستو! سدا
ہم کو تلاشِ راحتِ دل سو بہ سو رہی
گلزارِ ہست و بود کی تزئین کے لئے
ہم کو مدام خواہشِ ذوقِ نمو رہی
اک دم ملی نہ فرصتِ ضبطِ فغاں ہمیں
ہر روز آنسوؤں کی رواں آب جو رہی
صبح و مسا تھی خونفشاں یہ چشمِ تر بقاؔ!
اک نازنیں کی یاد میں وہ باوضو رہی

سیما جبّار

آپ کی بات کا کر لیتے یقیں ہم لیکن
آپ تو بات بدلتے رہے پیہم لیکن
کیوں دوا کرتے نہ ہم زخمِ جگر کی آخر
بے اثر اب ہیں مسیحائی کے مرہم لیکن
سوزشِ غم سے سُلگتا ہی رہا دل ہر دم
آنکھ سے گرتی رہی اشک کی شبنم لیکن
رات دن وقت کے دھاروں پہ سدا بہتے ہیں
چاند سورج کا ہوا پھر بھی نہ سنگم لیکن
وقت کے سازِ شکستہ کے ہیں نغمے مدھم
گونجتے اب بھی سماعت میں ہیں سرگم لیکن
آسماں آیا نہ آئی ہے زمیں راس اُسے
ربط دونوں سے ہیں انساں کے محکم لیکن
آج دنیا میں پڑی سب کو ہے اپنی اپنی
حرفِ اخلاص زبانوں پہ ہے مُبہم لیکن
خارزاروں سے کدورتوں کے گزرنے کے لیے
دل میں اُلفت کا رہے جذبۂ ریشم لیکن
ہوں گے ناکام ستمگر کے عزائم بے شک
اپنے ہاتھوں میں ہو یکجہتی کا پرچم لیکن
اپنے خوابوں کی کرو اب تمہی سیماؔ تعبیر
ملتی ہے خوابوں کی تعبیر ذرا کم لیکن

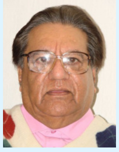

گلشن کھنہ

کچھ نہ کوئی کہہ سکا آنکھوں میں پانی دیکھ کر
سب ہی چپ ہیں دوستوں کی مہربانی دیکھ کر
پھول کیسے کھل سکیں گے زندگی کے باغ میں
خار زاروں کی یہاں پر حکمرانی دیکھ کر
پھر جگایا دردِ دل لمسِ صبا کے حسن نے
آنسو آنسو ہو گیا ہوں اک نشانی دیکھ کر
بھولی بسری کتنی باتیں یاد آتی ہیں نہ پوچھ
دل مچل جاتا ہے تصویریں پرانی دیکھ کر
عہدِ پیری میں گناہوں سے نہیں ملتی نجات
سرد آہیں بھرتا ہوں رنگِ جوانی دیکھ کر
پیار کے پھولوں کی خوشبو بس گئی ہے روح میں
گل بدن غنچہ دہن کی گلفشانی دیکھ کر
بھول بھی جا اب تو اے گلشن خزاں کے کرب کو
اُس کی آنکھوں میں سہانی اک کہانی دیکھ کر

ناصرہ رفیق کرائیڈن لندن

کیسے مجھ سے جدا ہوا ہے وہ
کون سے دیس بس گیا ہے وہ
لمحہ لمحہ اُداس کر کے مجھے
اپنا پہلو بدل گیا ہے وہ
جس نے پل پل خیال رکھا تھا
سینے میں درد بن گیا ہے وہ
ہنستا تھا سب سمیٹ کر فکریں
ڈھونڈتی ہوں کدھر گیا ہے وہ
سایہ شجر زندگی میری
دھوپ جلتی میں رکھ گیا ہے
وہ جہاں تھا قریب جاں رہا
دوریوں میں سمٹ گیا ہے وہ

سُونا سُونا وجودِ گھر سُونا
کیسی غفلت سی کر گیا ہے وہ
رونقِ بزمِ انجمن تھا وہی
جانے کیوں روٹھ کر گیا ہے وہ
لحہ لحہ تلاش میں اُداس
زندگی ساتھ لے گیا ہے وہ
ناصرہ زندگی میں رنگ تھا وہ
کن رنگوں میں اُتر گیا ہے وہ

گلزیب زیبا

دلِ ویراں میں کبھی پھول کھلانے آئے!
عہدِ گم گشتہ کی تصویر دکھانے آئے
اس کو ہرجائی کہو لاکھ، نہ مانے مرا دل
اب وہ آئے تو مری بات نبھانے آئے
اپنی غزلوں میں جسے میں نے تراشا برسوں
مجھ کو میری ہی کوئی بات سنانے آئے
دل دکھانے کے سوا اور بہانے ہیں بہت
اب وہ آئے تو کسی اور بہانے آئے
میری ناکردہ گناہی کی سزا بن جائے
جب بھی آئے وہ مجھے زہر پلانے آئے
کس قدر دیدنی ہو جائیں گے لمحے زیبؔا
جب تری خاک پہ وہ تجھ کو منانے آئے

محمود اقبال محمودؔ

اک نظر اب اس کو دیکھوں گا تو چین آ جائے گا
آنکھ کا روشن دیا کچھ دیر میں بجھ جائے گا
وہ مرا تھا نہ مرا ہے نہ مرا ہوگا
سلسلہ ملنے کا بن کر خواب سا رہ جائے گا
جو دیا تھا زندگی نے وہ بھی تو کچھ کم نہیں
زندگانی چھوڑ دے گا جاوداں کہلائے گا

رات کالی ہے ستارے بجھ گئے ہیں خوف سے
زرد پھولوں پر سجا کے کون شبنم لائے گا
وقت نے چہرے پہ میرے اس طرح سے بھر دی ریت
کون ہے جو پاک سے بھی پاک آنسو لائے گا

محسنہ جیلانی

ہے ہزاروں میں مگر سب سے جدا ہو جیسے
وہ اکیلا ہے مرے دل میں خدا ہو جیسے
وہ نظر پھر سے مہربان نظر آتی ہے
چہرۂ درد بھی کچھ آج سجا ہو جیسے
میں تو سوئی تھی مگر جاگ رہا تھا بادل
میری آنکھوں کا اسے روگ لگا ہو جیسے
ریشمی پھولوں نے پھر اطلس و کم خواب بُنے
موسمِ گل بھی لئے رنگ قبا ہو جیسے
زندگی دکھ میں بھی کچھ ایسے مزہ دیتی ہے
رات بھر نیند میں اک بچہ ہنسا ہو جیسے
چاندنی پھیل رہی ہے مرے غم خانہ میں
درد کا چاند دل کہیں دل میں اگا ہو جیسے
دل کہ ہر درد کو کچھ ایسے سنبھالا دل نے
ہدیۂ شوق ہو اور تم نے دیا ہو جیسے
دل کہ احساس کا مارا ہے سہم جاتا ہے
پیار کا بول بھی لگتا ہے گلا ہو جیسے
سارے اشعار مجھے اچھے لگے ہیں اپنے
تم نے تعریف کا اک لفظ کہا ہو جیسے

فرزانہ فرحت

نہ گلزار رہتے تھے راہوں میں میری
نہ پھولوں کے کنگن تھے باہوں میں میری
بہاریں مری مجھ سے روٹھی ہوئی تھیں
مری کشتیاں آج ٹوٹی ہوئی تھیں

نہ گجرا تھا ہاتھوں نہ پیروں میں پائل
کہ کانٹوں سے میں ہوتی جاتی تھی گھائل
نہ پہنا ہوا تھا خوشی کا لبادہ
مرے دل کا موسم بھی رہتا تھا سادہ
نہ میں نے محبت کے گیتوں کو گایا
نہ جشنِ محبت تھا میں نے منایا
یکایک عجب سانحہ سا ہوا ہے
کہ تو آ کے میرا مسیحا ہوا ہے
مجھے قطرہ قطرہ دوا دے رہا ہے
مسرت کی مجھ کو نوا دے رہا ہے
مجھے چاہتوں کا خدا دے رہا ہے
محبت کا موسم جُدا دے رہا ہے
مرے مسئلے کچھ سلجھنے لگے ہیں
مرے دن بھی آخر بدلنے لگے ہیں
یہ فرحتؔ مرے پاس آنے لگی ہے
محبت تری راس آنے لگی ہے

عابدہ شیخ

اداسیوں کو ہم نے سجا کے رکھ دیا
ترا تصور دل میں بسا کے رکھ دیا
عرصہ سے ہوئی کوئی بات بھی نہیں
یہ کیا! تو نے دل سے بھلا کے رکھ دیا
بدگماں! ہے گر تو آزما کے دیکھ لے
ہم نے خواب اُس کا سجا کے رکھ دیا
چشمِ تر راہ میں بچھائی ہوئی تو ہے
دل نے بھی سرِ راہ دیا جلا کے رکھ دیا
رفتہ رفتہ زخم ترے ماند پڑ گئے
زمانے نے عابدؔہ سُلجھا کے رکھ دیا

اُس آخری نظر میں عجب درد تھا منیر
اس کے جانے کا رنج مجھے عمر بھر رہا
منیر نیازی

سلطانہ مہر، برمنگھم

ہم قفس میں رہ کے جس کو آشیاں کہتے رہے
تھی فقط حدِ نظر، ہم آسماں کہتے رہے
اک سرابِ مستقل کو گلستاں کہتے رہے
اس بتِ نامہرباں کو مہرباں کہتے رہے
آندھیوں نے آشیانہ تو مٹا ڈالا مگر
چند تنکے آشیاں کی داستاں کہتے رہے
جب زباں نے ساتھ چھوڑا بن گئیں یہ ترجماں
ہم جن آنکھوں کو ہمیشہ بے زباں کہتے رہے
کارواں نظروں سے اوجھل تھا اور اوجھل ہی رہا
ہم غبارِ کارواں کو کارواں کہتے رہے
دل کے اک چھوٹے سے گوشے میں وہ جا کر گم ہوا
جس کو نادانی میں ہم سارا جہاں کہتے رہے
اس عقیدت کا برا ہو ہم بیاباں کو بھی مہرؔ
خونِ دل سے سینچتے اور گلستاں کہتے رہے

جاوید اختر چودھری، برمنگھم

انجامِ زندگی پہ ہماری نظر نہ تھی
تھی دلفریب زیست مگر اس قدر نہ تھی
سوزِ غمِ حیات سے ہم بجھ کے رہ گئے
کیا شور اپنی ذات میں تھا کچھ خبر نہ تھی
یہ عقلِ نامراد لئے دم بدر پھری
لیکن بیانِ مدعا میں با ہنر نہ تھی
دستِ خزاں نے دل کی کلی کو مسل دیا
شاید مرے نصیب میں بادِ سحر نہ تھی
احباب کا خلوص تھا فہمیدگی بھی تھی
لیکن دعائے دشمناں بھی بے اثر نہ تھی
دشمن نے میرے ملک کو دو لخت کر دیا
اور رہبرانِ قوم کو کوئی خبر نہ تھی
دیتے تھے وہ تسلیاں جاوید کو ہزار
تخریب کاریوں میں بھی کوئی کسر نہ تھی

آدم چغتائی

لئے پوشاک لفظوں سے سخن کا پیرہن نکلا
ترے نغموں سے حسنِ گلستاں کا بانکپن نکلا
وہ کیسا دل ربا منظر تھا گلشن میں بہاروں کا
دِکھا جو پھول سا چہرہ وہ میرا گل بدن نکلا
ادائیں شوخیاں، سانسوں میں نکہت تھی گلابوں کی
اُٹھی چلمن تو یارو خوش نما شیریں دہن نکلا
وہ اک جاذب نگہ تھی شعلۂ بیباک گل رُخ کی
جہاں غنچہ نہ کھلتا وہیں سے اک چمن نکلا
وہ منظر دیکھ کر گلزارِ جاناں میں کھلی کلیاں
مگر وہ سادہ دل شاعر خیالوں میں مگن نکلا
کناروں سے ملے جب بھی کنارے بہتے پانی کے
وہیں سے نور نکلا، نور کا سیمیں بدن نکلا
سرابِ زندگانی نے ہمیں دھوکے دیئے آدمؔ
حقیقت جس کو سمجھے تھے وہ اپنا حسنِ ظن نکلا

احمد مسعود، نوٹنگھم

کچھ اس طرح ہے گزاری یہ زندگی ہم نے
جدھر سے گزرے ہیں کر دی ہے روشنی ہم نے
کیا نہ کام کوئی بے سبب کبھی ہم نے
ملا جو درد تو پھر کی ہے شاعری ہم نے
سدا سلگتی رہی دل میں آرزو کوئی
دبا کے رکھی ہے سینے میں آگ سی ہم نے
کسی کے پیار کا اعجاز ایک یہ بھی ہے
رہے خمار میں اور مے کبھی نہ پی ہم نے
ہے زندگی پہ ہمیں اعتماد کچھ ایسا
کہ موت مانگی نہیں دشمنوں کی بھی ہم نے
مسافروں پہ ہوئیں منزلیں عیاں جن سے
ہیں خواب ایسے بھی دیکھے کبھی کبھی ہم نے
کہاں سنا ہے وہ دنیا نے جو کہا مسعودؔ
کہا جو دل نے کیا ہے سدا وہی ہم نے

فرزانہ نیناںؔ، نوٹنگھم

ہے ذرا سا سفر، گزارا کر
چند لمحے فقط گوارا کر
دھوپ میں نظم بادلوں پر لکھ
کوئی پرچھائیں استعارا کر
چھوئی موئی کی ایک پتی ہوں
دور ہی سے نظارا کر
آسمانوں سے روشنی جیسا
مجھ پہ الہام اک ستارا کر
پہلے دیکھا تھا جس محبت سے
اک نظر پھر وہی دوبارا کر
کھو نہ جائے غبار میں نیناںؔ
مجھ کو اے زندگی پکارا کر

طفیل عامر

دُور یا قریب سے پکارو بھی
ماردینا ہے اگر تو مارو بھی
خواب ہے تو خواب بھی کب تلک
! چاند کو زمین پر اُتارو بھی
! نہیں ہے کوئی چارہ تو کرو گے کیا
گزرتی ہے یہ جس طرح گزارو بھی
ہو کسی کے گر غلام تو ہے خیر
زندگی تو اپنی ہے سنوارو بھی
مفہوم بھی سمجھتے ہیں نگاہوں کا
! وارنی ہے جان تو اب وارو بھی
دلکشی بھی خدا کی دین ہے
رُوپ گر نکھرتا ہے، نکھارو بھی
جیت ہی جانا نہیں عامرؔ ضرور
ہو سبب کوئی اگر ہارو بھی

مغل اقبال اختر، کرلا، رتنا گری

پتھروں سے سر اگر ٹکراؤ گے
خود ہی زخمی ایک دن ہو جاؤ گے
رہ گیا جب سازِ دل ہی ٹوٹ کر
پیار کے نغمے کہاں سے گاؤ گے
بزم سے جاتے تو ہو اہلِ وفا
بزم والوں کو بہت یاد آؤ گے
راکھ کا اک ڈھیر ہے اب دل فقط
اس میں چنگاری بھلا کیا پاؤ گے
مان لیں گے ہم، بہت اُونچے ہو تم
عرش کو چھوکر اگر دکھلاؤ گے

سلیم ناز، کراچی

سوال یہ ہے کہ ’’خدا کیا ہے‘‘ ؟
جانتا ہے ! تو پھر بتا کیا ہے ؟
جینے والے بتا نہیں سکتے !
مرنے والو تمہیں ہوا کیا ہے
میں پیمبر نہیں ہوا تو بتا
اس میں میری بھلا خطا کیا ہے
یوں تو سب ہی خدا کے بندے ہیں
پھر یہ قسمت جدا جدا کیا ہے
نازؔ کا دل دبا کے مٹھی میں
پوچھتے ہو کہ مدعا کیا ہے

کجھ شہر دے لوگ وی ظالم سن
کجھ سانوں مرن دا شوق وی سی
منیر نیازی

ڈاکٹر نثار ترابی

پھر دوش پہ مست ہواؤں کے
خوشبو ہے ساتھ صداؤں کے
ہم شہر میں آ کر بھول گئے
سب چہرے اپنے گاؤں کے
اک موج یہ کہتی جاتی ہے
غم گہرے ہیں دریاؤں کے
کِس پار اتارے ہیں تُو نے
آباد نگر آشاؤں کے
سب موسم اپنے ہوتے ہیں
پیپل کی ٹھنڈی چھاؤں کے

(۲)

خوابِ حیرت تری روانی میں
پھیل جاتا ہے عکس پانی میں
دیکھ لینا کہ ذکر میرا ہی
بھول جائے گا وہ کہانی میں
پوچھ مت رائیگاں ہوئے کتنے
آرزوؤں کی پاسبانی میں
شام کا دکھ ہمیں ستاتا ہے
اجنبی رات کی کہانی میں
میری باتوں کا رس بھی شامل ہے
تیرے لہجے کی خوش بیانی میں

انوارؔ فیروز، راولپنڈی

عجیب دور ہے وہ لوگ معتبر ٹھہرے
ہزار قتل کے الزام جن کے سر ٹھہرے
بجا کہ ہم سے خطائیں بھی لازمی ہوں گی
کہ ہم فرشتے نہیں آخرش بشر ٹھہرے
جو کشتیوں میں نہیں تھے وہ ساحلوں پر ہیں
یہ کیا کہ اپنے مقدر میں ہی بھنور ٹھہرے
وہ پیڑ جس پہ کسی اژدہے کا ڈیرا ہو
مجھے بتاؤ کہ اس پر کہاں ثمر ٹھہرے
زمیں نے شعلے اگائے ہیں فصل کی صورت
اب ایسی آگ میں کیا سایۂ شجر ٹھہرے
جنھوں نے ظلم کی تلوار توڑ دی بڑھ کر
سناں کی نوک پہ آخر ان ہی کا سر ٹھہرے
وہیں سے منزلِ مقصود کا نشان ملا
تھکن سے چُور جہاں میرے ہمسفر ٹھہرے
یہ میرا دل تو اُسی کا ہے غیریت کیسی
اُسے یہ چاہئے انوارؔ اپنے گھر ٹھہرے

اے۔حق

وہ ہے سجاد مگر سر کو اُٹھائے رکھے
اپنے واعظ کی نصیحت کو چھپائے رکھے
تو وہ ہے بے درد، مجھے دل سے بھلائے رکھے
دل مرا پھر بھی ترے ناز اُٹھائے رکھے
جب ترے خواب کی آغوش میں سو جاتا ہوں
اس کی تعبیر ہی اُمید جگائے رکھے
مجھ کو اُلفت ہے زمانے کی ادا سے لیکن
یہی اک اس کی ادا دل کو ستائے رکھے
ہم پہ اے رنگ محبت کے چڑھانے والو !
تم نے کیوں راز وفاؤں کے چھپائے رکھے !
تم نے تاریک کیا عشق کی راہوں کو مگر
ہم نے بھی دیپ سرِ بام جلائے رکھے
سات افلاک ترے سات ہی رنگ اُلفت کے
ہم نے ساتوں ہی محبت پہ چڑھائے رکھے
ہم اُسے کیسے محبت کا طرفدار کہیں !
حقؔ کو جو چھوڑ کے یادوں میں پرائے رکھے !!
ہے یہ سرکارؐ کا اُمت سے تقاضا اپنی !
سر پہ اِخلاص کی دستار سجائے رکھے !

افتخار عارف

جیسا ہوں ویسا کیوں ہوں سمجھا سکتا تھا میں
تم نے پوچھا تو ہوتا بتلا سکتا تھا میں
آسودہ رہنے کی خواہش مار گئی ورنہ
آگے اور بہت آگے تک جا سکتا تھا میں
چھوٹی موٹی ایک لہر ہی تھی مرے اندر
ایک لہر سے کیا طوفان اٹھا سکتا تھا میں
کہیں کہیں سے کچھ مصرعے، ایک آدھ غزل، کچھ شعر
اس پونجی پر کتنا شور مچا سکتا تھا میں
جیسے سب لکھتے رہتے ہیں غزلیں، نظمیں، گیت
ویسے لکھ لکھ کر انبار لگا سکتا تھا میں

انجینئر مبارک احمد مبارک

اور کیا کرتے بھلا اُس بے وفا کے سامنے
سر جھکانا ہی پڑا اس کی رضا کے سامنے
دل مچلتا ہے تری اک اک ادا کے سامنے
جان حاضر ہے تری تیغِ جفا کے سامنے
دارِ فانی سے تو اک دن کوچ کرنا ہے تجھے
زندگی کا بس نہیں چلتا قضا کے سامنے
جیسے اپنا عکس دیکھوں آئینے کے رو برو
آگیا اپنا سراپا آشنا کے سامنے
ٹھوکروں کی زد میں اک گرتی ہوئی دیوار ہوں
یا چراغِ آخرِ شب ہوں ہوا کے سامنے
کیا اثاثہ ہو گا تیرے نامۂ اعمال میں
حشر میں جب پیش ہو گا تو خدا کے سامنے
اُس کے دل سے پیار کے چشمے بھی پھوٹیں گے کبھی
نرم خو ہو جائے گا آہ و بکا کے سامنے
میں ستم کی آنچ میں تو اور بھی کندن بنوں
میں ڈٹا ہوں جبر اور کرب و بلا کے سامنے
سر کٹا دے گا مگر سر کو جھکا سکتا نہیں
جب مبارکؔ آئے گا اہلِ جفا کے سامنے

پروفیسر ڈاکٹر رفیق خان

میں ہوں راہرو اسی رات کا وہ جو رات جس کی سحر نہ ہو
مری منزلیں ہیں وہ منزلیں، جہاں روشنی کا گزر نہ ہو
ہے یہ زندگی بڑی کشمکش، ہے کہیں یہ کوہ کہیں جبل
تری زندگی نہیں زندگی، کہ یہ کوہ کن سی اگر نہ ہو
ذرا من میں ڈوب کے دیکھ تو، کہ یہ من ہی اصلِ حیات ہے
اُسے زندگی کا ہو کیا پتا، جسے قدرِ سوزِ جگر نہ ہو
مرے دوست مجھ سے خفا نہ ہو ذرا دیکھ لے مجھے پیار سے
یہ جو چار دن کی ہے زندگی کہیں رنجشوں میں بسر نہ ہو
تو غرور و جاہ و جلال ہے، سرِ راہ تھوڑا سنبھل کے چل
تری راہ گزر میں بسا ہوا کوئی حسرتوں کا نگر نہ ہو
جو ہو زندگی کی تجھے طلب، تو خودی میں خود کو تلاش کر
نہ وہ جی سکے نہ وہ مر سکے، جو رفیقؔ! اہلِ نظر نہ ہو

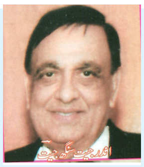

اندرجیت سنگھ جیتؔ

مست رہتا ہوں عزیزو صبح بھی اور شام بھی
شوق میں شامل مرے مالا ، صراحی ، جام بھی
فاش ہوجاتا ہے اکثر دردِ دل چھپتا نہیں
میں نگاہِ یار میں باغی بھی ہوں بدنام بھی
اپنی طاقت کے نشے میں ظلم ڈھاتے ہو مگر
کیا کبھی سوچا ہے تم نے جبر کا انجام بھی
نسلِ آدم کو نہیں ہے چین تا وقتِ نزع
زندگی کا یہ تماشہ خاص بھی ہے عام بھی
فرق دونوں میں مجھے تو کچھ نظر آتا نہیں
سجدے کرتا ہوں خدا کو اور ذکرِ رام بھی
رکھ سکے تم کو زمانہ ، یاد کچھ بعدِ وفات
کرتے جاؤ زندگی میں نیکیوں کے کام بھی
وہ جنہیں در پہ ترے فریاد کا کچھ حق نہیں
ایسے لوگوں میں ہی لکھا جیتؔ کا ہے نام بھی !

اکرام تبسم، لاہور

پلک پہ خواب لبوں پر شگفتگی رکھ جا
ہر اک لمحہ میں اک تازہ زندگی رکھ جا
تُو حرف ساز ہے لفظوں کی پھیلی آنکھوں میں
جہاں کا ظلم زمانے کی بے بسی رکھ جا
نکلتے وقت ہر اک روز گھر کی چوکھٹ پہ
طلب خلوص کی خواہش کی سادگی رکھ جا
زمانہ یاد کرے تجھ کو اک زمانے تک
ورق ورق پہ یہاں ایسی شاعری رکھ جا
کبھی تو آ کے تبسمؔ کے خشک ہونٹوں پر
چمکتی بولتی آنکھوں کی بے خودی رکھ جا

ماہ نور خانزادہ

بات میری سنی ان سنی ہوگئی
قصۂ مختصر دشمنی ہوگئی
دور بیٹھے ہوئے لوگ دیکھا کئے
تیرے آنے سے روشن گلی ہو گئی
سر چھپانے کی کوشش میں سر کٹ گیا
سر اٹھاتے ہوئے مخبری ہوگئی
کیا وہ کافر بھی سچ مچ مسلماں ہوا
کیا محبت اُسے واقعی ہوگئی!
سُر میں گاتی تھی میں مسکراتی تھی میں
تیرے جاتے ہی میں بے سُری ہوگئی
گھر میں "نورو" بلاتے تھے جس کو سبھی
ہوتے ہوتے وہ لڑکی بڑی ہوگئی

پروفیسر افتخار اجمل شاہینؔ

رکھ دو اے شاہینؔ اب تیر و کمان
ہے پرندے کی بہت اونچی اڑان
جب بھی چاہو پھر جگا دینا مجھے
سو رہا ہوں اوڑھ کے لمبی تکان
اب ہوا سے بھی ہوئے محروم ہم
جب سے بننے لگ گئے اُونچے مکان
عزمِ انسانی کے آگے پست ہے
ہے بلندی پہ اگرچہ آسمان
اس کو پہنچائیں گے ہم تکمیل تک
جو لیا ہے دل میں ہم نے اپنے ٹھان
خونِ دل سے کِشت یہ ہوگی ہری
شاعری کو اس قدر آساں نہ جان
زیست ہے اپنی مسائل میں گھری
روز ہوتا ہے نیا اک امتحان
سحر آگیں ہوتی ہے کتنی سَحر
صبح دم سنتا ہوں شاہیںؔ جب اذان

شاہین فصیح ربانی

منظر لہو لہو ہیں، فضائیں لہو لہو
اے دوست کیوں نگاہیں نہ پلٹیں لہولہو
نشتر بدست تند ہواؤں کا راج ہے
ہوں کیوں نہ پنچھیوں کی اڑانیں لہولہو
دشمن نے ایسا وار کیا ہے، نہ پوچھیے
تہذیب گھاؤ گھاؤ ہے، قدریں لہو لہو
تعینِ سمتِ منزل ہستی کریں گی کیا
ٹوٹے ہوئے دلوں کی امنگیں لہو لہو
الفاظ آہ رنگ تو لہجے ہیں کرب زار
لب زخم زخم ہیں تو زبانیں لہو لہو
اشعار میرے درد سے لبریز کیوں نہ ہوں
گھائل مرے خیال تو سوچیں لہو لہو
ہونے لگے ہیں خواب مرے کرچیاں فصیح
"کب دیکھئے کہ ہوں مری آنکھیں لہولہو"

اختر شاہجہان پوری

جہاں شام اُتری وہیں رات کی
تو کیا ہم نے کوئی کرامات کی
مجھے وہ مخاطب کرے بھی تو کیوں
زمیں سے فلک نے کبھی بات کی
وہیں کشتِ غم لہلہانے لگی
جہاں میری آنکھوں نے برسات کی
وہ سمجھا کہ مذکور ہے بس وہی
کسی نے کسی سے اگر بات کی
اسے دیکھنا مڑ کے پھر دیکھنا
پراگندگی ہے خیالات کی
کبھی درد بخشا خوشی دی کبھی
ثنا کیا ہو اُس کی عنایات کی
مجھے بے زبان اس نے اخترؔ کہا
جھڑی لگ گئی ہے سوالات کی

مخمور شاہجہاں پوری

اے غمِ دل تیرا افسانہ سنانے کے لئے
خونِ دل بیتاب ہے پلکوں پہ آنے کے لیے
اپنے ہونٹوں پہ سجالیتا ہوں میں جھوٹی ہنسی
آپ سے حالِ دلِ بسمل چھپانے کے لیے
اک ذرا سی دیر میں ناراض ہو جاتے ہیں وہ
اک زمانہ چاہئے ان کو منانے کے لیے
ساغر و مینا نہیں آنکھوں کا پیمانہ سہی
کچھ نہ کچھ تو چاہئے پینے پلانے کے لیے
اب تو آنکھوں میں مری اک اشک بھی باقی نہیں
اپنی روداد غمِ فرقت سنانے کے لیے
پھر رہا ہوں میں تلاش نقش پائے یار میں
اپنی قسمت کا ستارہ جگمگانے کے لیے
آج اے مخمورؔ اس کی یاد پھر آنے لگی
ہچکیوں کی شکل میں مجھ کو ستانے کے لیے

عدیل یوسف صدیقی

قفس میں رہ کے جو اندازۂ بہار کریں
جہاں کے راز کو ذرّہ سے آشکار کریں
جو محفلوں سے محبت فروغ پا نہ سکے
جلائیں شمعیں نہ پروانوں کو نثار کریں
کس اجنبی کا گلہ کیجئے کہ جب ہم سے
عدو نہ سوچ سکے وہ فریب یار کریں
نہ حرص سود نہ خوف زیاں تو پھر کیا ہے
اٹھیں اور اُٹھ کے تقاضائے گیرودار کریں
نہ سیر گل ہی میسر ہے اور نہ صحبت یار
بڑھائیں اپنی انا ہر طرف بہار کریں
جو گفتگو سے نہ اظہار مدعا ہووے
خموش رہ کے نہ کیوں پر اثر پکار کریں
ہم اپنے آپ کے دھوکے میں آگئے ہیں عدیلؔ
کسے امین کہیں کس پہ اعتبار کریں

صفدر علی آغا

حرکت کیا ہے بس کہ اب تو یوں ہی گرتے پڑتے ہیں
یادوں کے خوشبو میں سانسیں لے کر آگے بڑھتے ہیں
اب تو اس بستی میں باقی وہ گلیاں نہ رہتے ہیں
پھر بھی اس کے نقش پا کی کھوج میں پھرتے رہتے ہیں
اپنا حال بھی ویسا ہی یہ جیسے اہل چمن بے حال
جانے کس جا کیا ہو جائے کارِ جہاں کب رُکتے ہیں
پہلے اس بستی کی قدروں کے کچھ پالن ہار بھی تھے
لیکن ان کو روند کے اب تو سب اک جیسے لگتے ہیں
کہتے ہیں کہ اپنا مار کے سائے میں ہی ڈالے گا
لیکن ہم کو اپنے ہی اب آڑے ہاتھوں لیتے ہیں

اعجاز احمد اعجاز

میرا کیا ہے رنگ نہ بو
پھول بھی تو خوشبو بھی تو
روز و شب میں تو ہی تو
تو ہی ہرجا تو ہر سو
میرے دل میں بسیرا کر
لگ نہیں جائے تجھ کو لو
دو ہی کرشمے قدرت کے
ایک ہوں میں اور ایک ہے تو
ہجر میں تیرے جلتا ہوں
آ کر میرا جسم تو چھو
اک دن آخر ملنا ہے
تیرے لہو سے میرا لہو
جاں تیرا اعجاز ہوں میں
اور میرا اعجاز ہے تو

انور شمیم انور

اب وہ ہنگامے کہاں رات ہے تنہا تنہا
تم نہیں ہو توجواں رات ہے تنہا تنہا
نہ فلک پر ہیں ستارے نہ فضا میں جگنو
اور گم صم ہے سماں، رات ہے تنہا تنہا
کیا لکھوں تم کو میں اس وقت یہاں کا احوال
کٹ گیا دن تو یہاں رات ہے تنہا تنہا
دل پہ ہے چھایا ہو کرب غریب الوطنی
سونا سونا ہے جہاں رات ہے تنہا تنہا
کوئی مونس ہے نہ ہمدم نہ کوئی درد شناس
محو فریاد و فغاں رات ہے تنہا تنہا
ایسا لگتا یہ چراغوں نے بھی دم توڑ دیا
ہے فضاؤں میں دُھواں رات ہے تنہا تنہا
رُوح میں جھانک کے دیکھا تو سبھی تنہا ہیں
کہ جہاں ہم ہیں جہاں رات ہے تنہا تنہا
تم وہاں ہو کہ جہاں رات کے ہنگامے ہیں
ہم وہاں ہیں جہاں رات ہے تنہا تنہا
اُف یہ تنہائی کے احساس کی شدت توبہ
ہورہا ہے یہ گماں رات ہے تنہا تنہا
دن کے ہم راہ تھا انورؔ نئے زخموں کا ہجوم
رات آئی ہے تووہاں رات ہے تنہا تنہا

وسیم الطاف خواجہ

غم حیات کی تاریکیوں سے گزرے ہیں
ہر ایک راہ میں ہم کوششوں سے گزرے ہیں
جبیں پہ نہ ہماری ذرا شکن آئی
کہ مسکراتے ہوئے اُلجھنوں سے گزرے ہیں
فضائیں جھومتی آئی ہیں جب شب ہجراں
تو ہم حسین وسیم کاکلوں سے گزرے ہیں
سنبھل سنبھل کے اُٹھایا ہے ہر قدم ہم نے
رہِ وفا میں بڑی مشکلوں سے گزرے ہیں
تھے راستوں کے نشیب و فراز سے واقف
حیات عشق کی سب منزلوں سے گزرے ہیں
دل و دماغ میں لے کر خیال مستقبل
غم فراق کی بے تابیوں سے گزرے ہیں
ہمیں ہواہے خزاں پر بہار کا دھوکا
فریب حسن کی تابانیوں سے گزرے ہیں
تبسمؔ پوچھ نہ کیسے حیات گزری ہے
غم و اَلم کے کٹھن مرحلوں سے گزرے ہیں

رحیم اللہ شاد

کہاں تک یونہی یہ اندھیرا ملے گا
کہیں بھی آخر سویرا ملے گا
کسی پیڑ کے نیچے شب کاٹ لیں گے
کہیں جب نہ ہم کو بسیرا ملے گا
سحر آ کے خود چارہ سازی کرے گی
جہاں شب گزیدوں کا ڈیرا ملے گا
خوشی بانٹنے والے سہتے ہیں خود غم
چراغوں کے نیچے اندھیرا ملے گا
بتاتی ہے یہ دھوپ کی سخت گرمی
کہ بعد اس کے سایہ گھنیرا ملے گا
سمجھ جائے گا کیا گزرتی ہے لٹ کر
لٹیرے کو خود جب لٹیرا ملے گا
وہی کوئے قاتل بتائے گا اے شادؔ
ذرا بھی جہاں خون میرا ملے گا

قندیل ادب انٹرنیشنل کے اشتہار دینے کے ریٹ

Space	One Time	Quartly	6Month
Title Page	100 £	300 £	600 £
Back Page	80 £	240 £	480 £
Full Page	65 £	195 £	390 £
Half Page	40 £	120 £	240 £
Quarter Page	25 £	75 £	150 £

We can offer Special request if required on special rates.
info@qindeeleadab.co.uk, www.qindeel-e-adub.com
Contact: (M) 0044 7886304637
رانا عبدالرزاق خان لندن

آہ عظمیٰ صدیقی

امجد مرزا امجدؔ

لندن کی معروف شاعرہ، کالم نگار و ادیبہ عظمیٰ صدیقی رضائے الٰہی سے 9 مارچ 2018 بروز جمعہ کو انتقال کر گئیں۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

ہر انسان نے اپنے وقت پر اس دنیا فانی سے رخصت ہونا ہے۔ مگر یہی خواہش ہوتی ہے کہ اپنی عمر گزار کر۔ تمام فرائض سے سبکدوش ہو کر بوڑھا ہو کر جائے تو کوئی دکھ نہیں ہوتا کہ ذہن مانتا ہے کہ اب اس کا وقت ہو چلا تھا۔۔ مگر جو کسی موذی جان لیوا مرض میں مبتلا ہو کر اور برسوں دکھ سہہ کر چلے جاتے ہیں ان کے لئے آنکھیں برستی ہیں دل مغموم ہوتا ہے اور دکھ ہوتا ہے۔

عظمیٰ صدیقی بھی کئی سال کینسر کے موذی مرض میں مبتلا رہیں۔ اور اسی مرض نے انہیں مشاعروں سے بھی دور کر دیا۔ گھریلو ذمہ داریاں بھی تھیں۔ ایک سوگوار جوان بیٹی کو چھوڑ گئیں۔۔ کافی مدت علاج جاری رہا مگر آخر وہ ہار گئیں اور موت نے انہیں سارے دکھوں سے نجات دلوا دی۔ سن کر بہت دکھ ہوا کہ وہ برسوں بیماری کا دکھ سہتی رہیں۔ برطانیہ کی تمام ادبی برادری کو مرحومہ کی موت کا سخت دکھ ہے اور دعا ہے کہ اللہ پاک انہیں غریق رحمت کرے آمین۔

زیست ٹوٹے ہوئے پتوں کا سفر لگتی ہے   کر دیا کس نے ہواؤں کے حوالے مجھ کو

اُن کی جائے پیدائش کراچی ہے کراچی یونیورسٹی سے بی اے کے بعد جامعہ ملیہ سے بی ایڈ کیا۔ تعلیم کے عشق نے کراچی یونیورسٹی سے سیاست میں ایم اے کرایا پھر ادب کے شوق نے اردو میں ایم اے کیا اور لیکچرر تقرر ہوئیں اس سے پیشتر کئی تعلیمی اداروں میں تدریسی فرائض سرانجام دیئے۔ 1996 میں جرمنی آ گئیں جہاں جرمن زبان سیکھی، گھریلو ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ادب کا شوق بھی پورا کرتی رہیں اور جرمنی سے جاری ہونے والے جریدہ ''انٹرنیشنل فورم'' میں مضامین، کالم اور شاعری لکھتی رہیں۔ لندن کی ادبی فضا کا سنا تھا جو جرمنی میں میسر نہ تھی لہذا اپنی اکلوتی بیٹی کے بہتر مستقبل کے ساتھ ساتھ اپنی ادبی پیاس بجھانے کے لئے 2009 میں لندن آ گئیں اور اب یہاں ہی مقیم تھیں۔ شاعری، نثر نگاری دونوں پر عبور حاصل تھا اور بے شمار غزلیں، نظمیں، کالم اور مضامین کے ساتھ ساتھ افسانے بھی لکھ چکی ہیں۔ لندن کے ادبی ماہنامہ ''پرواز'' ان کا ادبی گوشہ بھی شائع کیا تھا۔ جس میں ان کی غزلیں اور افسانے بھی شائع ہوئے۔

جہاں وہ اپنی طویل بیماری سے دل برداشتہ تھیں وہاں کچھ لندن کی ادبی سیاست نے بھی انہیں کافی مایوس کیا ہوا تھا۔ ہمارے ہاں تنقید زیادہ کی جاتی ہے اور کسی کی حوصلہ افزائی بہت کم۔۔ وہ اس منفی رویّے سے متنفر ہو کر بھی مشاعروں میں بہت کم جاتیں۔ میرے مشاعروں میں وہ کئی بار آئیں مگر سابقہ کئی برسوں سے وہ گھر تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان کی چند ایک وڈیوز بھی WFPCF میرے چینل پر لگا کر یوٹیوب پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

عظمیٰ صدیقی جہاں ایک اچھی شاعرہ تھیں وہاں وہ بہترین افسانہ نگار بھی تھیں۔ ہر دو اصناف میں انہوں نے یہ منوایا ہے کہ ہماری خواتین گھریلو ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ادب کی خدمت میں کبھی پیچھے نہیں رہتیں۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ''آؤ کچھ خواب بنیں'' شائع ہوا جس کی باقاعدہ رسم اجرا ''صوفی'' والوں نے کی جبکہ دوسری کتاب ان کے ان کالموں کا مجموعہ ہے جو روزنامہ جنگ اور دیگر اخبارات میں شائع ہوئے بنام ''خبر پاروں کے آئینے میں'' شائع ہوا مگر اس وقت عظمیٰ صدیقی سخت علیل تھیں۔ اور کینسر قدرے ٹھیک ہو کر دوبارہ حملہ آور ہوا۔۔!!

شاعری انسانی جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتی ہے شاعر اپنے ہر شعر میں اپنے دلی جذبات درد و غم اور انبساط کی کیفیات کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح عظمیٰ نے بھی اپنے جذبات کا بھرپور اظہار کیا۔۔

عظمیٰؔ اب کس کو پکاروں میں اماں کی خاطر   آسماں دور ہے دھرتی ہی چھپا لے مجھ کو

***

اُردو کو بچایئے!

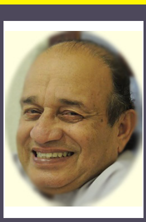

(انشائیہ) امجد مرزا امجد

اردو ہماری نیشنل لینگوتج ہے اور ہمیں ہمیشہ یہ ٹرائی کرنی ہے کہ ہمارے چلڈرن بھی اس لینگوتج کو اپنائیں۔ سو اس کے لئے یہ بہت امپارٹنٹ ہے کہ ہم گھر میں اردو کو پریکٹس میں لائیں، آپس میں بولیں چلڈرنز کے ساتھ بولیں اپنے دوسرے فیملی فرینڈز اور دور ونزدیک کے ریلیٹوز کے ساتھ بولیں۔ اپنے گھروں میں اردو کی بکس اور میگزین لائیں۔ جن میں سے نیوز اور سٹوریز اپنے بچوں کو پڑھ کر سنائیں۔ اپنی لینگوتج میں اپنے کلچر کے بارے میں بچوں سے ڈسکس کریں انہیں پوری فریڈم کے ساتھ کیؤسچن کرنے کی پرمیشن دیں اور ان کو انکرج کریں کہ وہ کھل کر اپنے ویوز دے سکیں۔

انگلینڈ میں رہ کر یہ بات نہایت دکھ اور وری کی ہے کہ ہماری نیو جنریشن ہمارے کلچر، کسٹم، ریلیجن اور زبان سے دور ہوتی جارہی ہے۔ ہمارے انٹیلیکچول اس بارے میں بہت پریشان ہیں اور اس کو سالؤ کرنے کے نت نئے طریقے سوچتے رہتے ہیں۔ لندن میں جگہ جگہ لٹریری میٹنگز اور گیدرنگ کی جاتی ہیں، جن میں ینگسٹرز کو انوایٹ کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنا کلچر اپنے کسٹم کو سیکھیں اور ان کو ڈسکرج کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی نیشنل لینگوتج کو توڑ مروڑ کر مت بولیں بات بات پر اردو کی جگہ انگلش کے ورڈز مت یوز کریں۔

گو کہ ہماری اردو زبان ہندی، پرشین، پنجابی، عربیک اور انگلش کا بیوٹی فل کومبی نیشن ہے اور یہ فخر کی بات ہے کہ ہم ایشیائی لوگ اپنی مدر اور نیشنل لینگوتج کے ساتھ ساتھ انگلش بھی فری کیوئنٹلی بول لیتے ہیں جب کہ ویسٹ کے لوگ ہماری زبان کا ایک ورڈ بھی مشکل سے بولتے ہونگے۔ ہماری اردو لینگوتج کو قومی زبان کا درجہ ہمارے فادر آف نیشن یعنی قاہداعظم نے دیا تھا۔ وہ بھی انگلش لینگوتج کے بہت گریٹ سکالر تھے۔ مگر ان کے بعد کسی گورنمنٹ نے بھی یہ بات نہ دہرائی کیونکہ ہمارے تمام منسٹر اور پریزیڈنٹ ہائیلی ایجوکیٹڈ لوگ رہے ہیں اور وہ پاکستانی عوام سے کم اور فارنر لوگوں سے زیادہ بات چیت کرتے ہیں لہذا اردو بولنے کا صرف الیکشن کے دنوں میں وقت ملتا ہے جو پانچ سال کے بعد کچھ ہی ڈیز کے لئے ہوتا ہے۔

مگر ہمارے بزرگوں کو یہ بہت ٹینشن ہے کہ جو ڈینجریس قسم کا ٹرینڈز ور پکڑ رہا ہے کہ اردو اور اب تو پنجابی میں بھی انگلش کے ورڈز یوز ہونے لگے ہیں اس سے بڑا اور میجر فیکٹ جو سامنے آرہا ہے وہ یہ ہے کہ آج ففٹی سکس ییرز فریڈم کے باوجود بھی ہماری مینٹیلیٹی سلیوری کی یاد دلاتی ہے۔ ہم آج بھی مینٹلی آزاد نہیں ہوئے۔ یہ کوئی پراوڈ کی بات نہیں۔ افسوس کی بات ہے۔

ہمارے پاس ماشاءاللہ فائیو مورزبانیں ہیں اگر ہم نے اردو میں ملاوٹ ہی کرنی ہے تو سندھی کی کریں بلوچی کی پشتو، سرائیکی اور پنجابی کی کریں۔ جو اپنی قومی زبانیں ہیں۔ اپنی ہیں اپنے لوگوں کی ہیں اپنی کنٹری کی ہیں۔ اس قوم کی کیوں کرتے ہیں جو صدیوں ہم پر راج کرتی رہی اور آج بھی ڈومینیٹ کر رہی ہے۔

آخر میں ہم آپ سے یہی ریکوسٹ کریں گے کہ اپنی لینگوتج کو امپارٹینس دیں۔ اپنے چلڈرن کے ساتھ اپنی لینگوتج بولیں۔ آج ہماری فوڈ میں مکسنگ ہے ہمارا کلچر مکس ہوتا جارہا ہے کوئی چیز پیئور نہیں رہی۔ فار گاڈ سیک ایک اردو رہ گئی ہے اسے مکس نہ کریں اسے تو پیئور رہنے دیں... پلیز... پلیز... تھینکیو!

سُلگتی کہانی

سہیل لون

وقت اور حالات ہم سے سب کچھ چھین لیتے ہیں مگر یادیں وہ عظیم سرمایہ ہیں جسے کوئی نہیں چھین سکتا۔ یاد وہ آئینہ ہے جس میں انسان ماضی کو دیکھ سکتا ہے۔ دل کو چوٹ لگتی ہے تو اس کی کسک روح کی گہرائی تک محسوس ہوتی ہے جو شعور بن کر ذہن پہ اترتی ہے اور لاشعور بن کر حسین یادوں کا روپ دھار لیتی ہے۔ یادیں بھی کتنی انمول ہیں جو آنسوؤں میں ڈھل کر روح کو سیراب کرتی ہیں۔ یادیں اس وقت عذاب بن جاتی ہیں جب انھیں سانسوں میں بسا لیا جاتا ہے، لیکن غم کے معنی ہیں اتھاہ تاریک سمندر میں خوشی کا مینار۔ زندگی کی بے کیف اور انجان راہوں پر ہماری ساتھی، یادیں انسانی زندگی کو تپتا صحرا بنا دیتی ہیں۔ جب دیدۂ گل سے شبنم ٹپکتی ہے اور زرد چاند سے برستی ہوئی ٹھنڈک ہولے ہولے روح کو سلگاتی ہے تو من کی جھیل میں یادوں کے چراغ کنول بن کر کھل جاتے ہیں۔ جب دل میں یادوں کے دیے جلتے ہیں تو جلن کے ساتھ روشنی بھی ہوتی ہے۔ آنسو اور روشنی مسکراہٹ کا روپ دھار لیتی ہے اور پھر تنہائی میں کسی کی یاد کا رس گھول کر پینا کتنا دلکش لگتا ہے۔ یادوں کے قافلے کتنی تیزی سے آتے اور گزر جاتے ہیں۔ لمحہ بھر کے لیے ہماری زندگی مچلتی ہے اور پھر اک سلگتی کہانی بن جاتی ہے اور ہم سوچتے ہی رہ جاتے ہیں۔

پھول اک کنول کا

فرخندہ رضوی (ریڈنگ)

سکول کی گھنٹی بجتے ہی سب کے مُرجھائے چہرے کھل اُٹھتے۔ آدھے دن کی بھوک اپنی زبان بولنے لگتی سب لڑکیاں کچھ نا کچھ کھانے کو دوڑتی ہوئی کنٹین پر ٹوٹ پڑتیں۔ ایسے لگتا کب کی بھوکی ہوں ہم بھی ہاف ٹائم ہوتے ہی اپنی کتابیں سمیٹے باہر نکلیں، ہر روز کی طرح گول گپے کھانے کے لیے سکول کی ماسی کے پاس رُک گئیں۔

"ارے آج گول گپے میری طرف سے ہوں گے"

ہم تینوں دوستوں کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گے۔

"کیا کہنے آج یہ کیا انہونی بات ہوگی بھی؟"

سب ایک ساتھ بول اُٹھیں یہ چاندنی تھی۔ ہماری بہت پیاری دوستی تھی اس سے۔ جس کا رنگ سفید وسندور میں ملا چہرہ، ہرنی جیسی آنکھیں اور اوپر لمبی لمبی پلکوں کی جھالر۔ وہ واقعی ایک حُسنِ مجسم تھی۔ ایسے لگتا جیسے پریوں کے دیس سے روز ایک پری سکول کے آنگن میں اُترتی اور ہمیں بہت سی کہانیاں سناتی اور پھر لوٹ جاتی۔ چاندنی ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، چار بہنیں جن کا کوئی بھائی نا تھا اور وہ بہت چھوٹی تھی کہ باپ کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ ماں نے محنت ومشقت سے بڑھ کر پیار دیا اور کچھ کچھ ہُنر بھی بچیوں کو سکھا دیا کہ کپڑے وغیرہ کی سلائی کر کے گزارہ بھی ہوتا رہے اور اس ہُنر سے روشنائی بھی۔ سب بہنوں میں چاندنی تھی۔ بہنوں کے کہنے پر ماں نے اِسے سکول داخل کروا دیا تھا۔ سب بہنوں کا خیال تھا ہم تو تعلیم جسے زیور سے محروم رہی ہیں مگر ہماری بہن کچھ پڑھ لکھ لے تو بچوں کو پڑھانے لگے۔ ہماری طرح ورنہ کپڑے سی سی کر اور رنگ برنگے دھاگوں میں اُلجھ کر نہ رہ جائے۔

ویسے تو چاندنی بہت پیار ہونے کے ساتھ ساتھ خیالات کی بھی بہت اچھی تھی۔ کبھی غربت پر شرمندہ نہیں ہوتی تھی اور کبھی اُسے مایوس ہوتے دیکھا، ہر لحمہ مسکراتی رہتی، ہم چاروں دوستوں میں دو دوست امیر گھروں سے تعلق رکھتی تھیں۔ میں بھی ایک ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی جہاں امارت تو دکھائی نہیں دیتی تھی مگر کسی چیز کی کمی نا تھی یعنی متوسط گھرانے سے تعلق تھا اور دوسری طرف چاندنی اپنی غربت کے قصے بہت مزے سے سنایا کرتی، ہم مذاق کرنے کی بجائے ہنستے ہنستے لوٹ پھوٹ ہو جاتیں۔ کبھی کبھی تو حیرت میں ڈال دیتی کچھ ایسی باتیں جو کرنے والی نا بھی ہوتیں مگر کر گزرتی۔ کہتی کل ہمارے گھر ایک ماہ بعد چاول پکائے گے تو لگا ہمارے گھر عید ہو۔ معصوم معصوم سی اُس کی باتیں بہت اُلجھن میں ڈال دیتیں کہ یہ کیا ہے سب کچھ محدود ہونے پر بھی کتنی خوش اور مطمئن اس کا چہرہ کھلا کھلا رہتا، ہم اپنی آسائشوں کو بروکار لا کر شرمندہ شرمندہ سی ہو جاتیں ہم اکثر ہی ہاف ٹائم کچھ نا کچھ کھانے لگتیں تو چاندنی کو بھی شامل کر لیتیں۔ اس کا ساتھ اور اس کی باتیں ہمیں بہت عزیز تھیں۔ کبھی تو مجبور کرنے پر ساتھ دیتی اور کبھی دل نا چاہنے کا بہانہ کر لیتی پھر ہم اکثر ہی دیکھتیں وہ ایک کونے میں جا کر گھر سے لائی ہوئی روٹی اور اچار یا پھر رات کا بچا سالن جو ساتھ لائی ہوتی۔ وہ کھانے لگتی۔ ہم کن اکھیوں سے اُسے دیکھتی رہ جاتیں مگر کبھی کچھ نا پوچھا۔ چار سال سے ہم ایک ساتھ پڑھ رہی تھیں۔ ایک کے بعد ایک جماعت میں آتے آتے چار سال یوں گزر گے کہ پتہ بھی نا چلا۔ آج جب اُس نے پیسے ادا کرنے کا نعرہ لگایا تو ہم سب چونک سی گئیں۔ تب سب نے ایک ساتھ سوال کر ڈالا کہ آج کیا ماجرہ ہے۔ جو اتنی فراغدلی دکھائی جارہی ہے۔ تو مسکرائی:

"ارے پہلے گول گپے کھالیں پھر بتاؤں گی۔" وہ زور سے ہنس دی۔

ہم بھی ہنستے ہوئے اُس کے ساتھ گول گپے کھانے میں شامل ہوگئیں۔ یقین مانیٔ روز روز تو پہلے بھی گول گپے کھاتے تھے مگر آج تو مزا دوبالا ہو گیا۔ شرارتیں کرتے کرتے ہاف ٹائم گزرنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا تو ہم نے اپنا سوال دہرایا تو چاندنی مزے سے ہنس ہنس کر بتانے لگی۔ "دراصل کل میری باجی کو سلائی کا بہت کام آ گیا جلدی بھی دینا تھا۔ باجی نے مُجھے ہاتھ بٹانے کو کہا تو میں نے شرط رکھی کہ مُجھے بھی اپنی اُجرت سے کچھ پیسے دو گی تب مدد کروں گی۔ اُس نے پھر دس روپے دینے تک مان لیا۔ میں مان گئی اور تب اُس کا کام کر دیا۔"

وہ کہتی رہی ہم سُنتی رہیں۔ بہت لہک لہک کر کہنے لگی:

"یہ میری محنت کے پہلے پیسے تھے۔"

اُس کے چہرے کی خوشی اور پیار لگ رہی تھی۔ تب ہم بھی اُس کی خوشی کا ساتھ دینے لگیں۔ ایسے ہی وہ بہت خوبصورت پل گزر گے۔ میں تو اُس دن گھر لوٹتے سارا وقت سوچتی رہی ہم کیا ہیں اتنا کچھ ملنے پر بھی مطمئن نہیں۔

چاندنی کی خوشیاں کتنے چھوٹے چھوٹے پلوں میں بندھی تھیں۔ پھر میٹرک کے امتحان کے بعد ہم ایک دوسرے سے کبھی نا ملیں کچھ شہروں کے فاصلے کچھ ملکوں کے میں بہت دور آ بسی نہیں جانتی وہ اَب کہاں ہوگی۔ آج چاند کو آسمان پر چمکتے دیکھ کر جس کی روشنی یکساں بکھری ہوئی تھی مُجھے اس میں چاندنی کا عکس نظر آنے لگا۔ لبوں سے ایک دعا اُبھری وہ چاندنی جہاں بھی ہو چاند کی طرح مہکتا اُس کا مقدر ہو۔ کبھی کبھی زندگی میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جنھیں ہم کسی موڑ پر بھی نہیں بھولا پاتے جگہ جگہ اُن کی یادیں آدھمکتی ہیں، ہم اپنے اندر کی خواہشات کو کم کرنے کے لیے خود کو چاندنی جیسی شخصیت کی مثال دینے لگتے ہیں۔ ہم تو لامحدود سمتوں کی طرف گامزن ہیں پھر کیسے مطمئن ہو سکتے ہیں۔ وہ چاندنی تو کیچڑ میں کھلا ہوا کنول کا پھول ہی تو تھی۔ آج تو بے یقینی اتنی بڑھنے لگی کہ ایسے محسوس ہوا میں نے اُسے چھو کر دیکھا ہو۔ اُس کے لمس کی خوشبو ہاتھوں میں بس گئی ہو۔

کہتے ہیں احساس بہت بڑا وفادار ہوتا ہے احساس کے رشتے ختم نہیں ہوتے۔ چاندنی بھی احساس کی طرح آج میری یادوں میں پھر سے بس گئی۔

***

شمع چوہدری کی ملائم شام

اسحاق ساجد (جرمنی)

ڈاکٹر اجمل نیازی کہتے ہیں شمع چوہدری نے اپنی شخصیت اور شاعری میں کوئی فرق نہیں رہنے دیا، اس نے عشق، درد اور ہجر کے سارے معاملات کو اپنی ذات میں یکجا کیا، اور پھر یکتا ہونے کے راستے پر نکل کھڑی ہوئی ہی" ڈاکٹر اجمل نیازی نے کتنی خوبصورت بات کہہ دی، ایسے لگا جیسے میرے ہونٹوں سے بات پکڑ لی ہو۔ میرے سامنے شمع چوہدری کا مجموعہ کلام پڑا ہے جس میں غزلیں، نظمیں اور گیت شامل ہیں، اپنی شاعری اور اپنے حوالے سے مجموعہ کلام کا نام تجویز کیا ہے۔ زندگی کے بے انت سمندر سے شمع چوہدری نے لہریں، سیپیاں اور ساحل چنے ہیں۔ مجھے ایسا لگتا ہے جب وہ گیت لکھ رہی ہوں تو ان کے ذہن پر دور کہیں پربتوں پہ پریاں کسی کے کاندھوں پہ سر رکھ کر گنگنا رہی ہوں میں ادب کا ایک قاری ہوں، مجھے اس حقیقت کا ادراک حاصل ہے کہ شاعر اپنے سامعین کی اُمیدوں پر پورا اترنے کے لئے شاعری نہیں کرتا، بلکہ اپنی سوچ کے حوالے سے وہ ان کی اُمیدوں پر پورا اُتر رہا ہوتا ہے، اور شمع چوہدری اس زینے پر نظر آتی محسوس ہوتی ہیں کہ وہ اپنی سوچ کے حوالے سے یاد رکھی جائیں گی آج عملی اور فکری سطحیں بڑی حد تک نمائشی بن کر رہ گئی ہیں۔

اس حوالے سے بے یقینی ذہن و دل کو اپنی گرفت میں لے چکی ہے۔ شاعری اور خصوصاً غزل کی موجودہ صورت اسی حصار میں گھرے رہنے اور اسے توڑنے میں مصروف ہے، اور اس حصار کو توڑنے والی نئی نسل کی بہت سی شاعرات میں شمع چوہدری کا شمار کیا جا سکتا ہے، جو فکری اور عملی سطحوں پر ان اندیشوں سے گزرتی ہیں۔ شمع چوہدری اپنی سوچ، اپنی جذبات نگاری اور محقق انداز اظہار میں منفرد نظر آتی ہیں۔ ان کی سوچ کا اندازِ تخلیق جدید نوعیت کے شعر کا خمیر ہے جو غمِ زیست سے اُٹھتا ہے کیوں کہ انسان سب سے بڑا پرستار اپنی ذات کا ہوتا ہے اب یہ انسان کی اپنی ہمت ہے کہ وہ کس طرح ان جذبوں کی تجدید کرتا ہے پھر ان کو اپنی ذات کے دائرے سے نکل کر آفاقی تناظر میں پیش کرتا ہے عام آدمی ایسا نہیں کر سکتا لیکن شاعر اس پر قادر ہے شمع چوہدری اس میں بھی کامیاب نظر آتی ہیں شمع چوہدری ایک شاعرہ، ایک فنکارہ ہیں، فنکار کا کام فن پارے تراشنا ہے اور شمع چوہدری ایک عرصہ سے فن پارے تراش رہی ہیں اور میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ فن پارے تراشنے کے ساتھ ساتھ اپنی ذات کو بھی تراش رہی ہیں۔ جیسے فنکار جب کینوس پہ برش چلاتا ہے تو لکیریں تراشتے ہوئے تصویر میں خوبصورت رنگ بھر دیتا ہے۔

شمع ایک شاعرہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھی انسان بھی ہیں میں نے کبھی اِن کو نہیں دیکھا، نہ ملا ہوں یہ بات میں نے ان کی کتاب سے محسوس کی ہے کہ وہ ایک دردمند دل رکھنے والی شاعرہ ہیں مجھے شمع چوہدری کے اشعار سے محسوس ہوا کہ وہ اپنے اشعار کے ذریعے سے انسانی جذبات و ہیجانات و تجربات کی صحیح ترجمانی کرنے والی شاعرہ ہیں ان کے دو اشعار پیش کرتا ہوں۔

شفق اوڑھے آنچل، ملائم شام ہو جیسے
خیال و خواب کا منظر، تمہارے نام ہو جیسے

کتنے موسموں میں بٹ گئی ہوں
اپنی ہی رُتوں سے کٹ گئی ہوں

کرکٹرز کی بیویاں

☆ وسیم اکرم: میری بیگم بات بات پر گلین میک گرا کی طرح باؤنسر مارتی ہے۔

☆ ویرات کوہلی: میری بیوی میری وننگ ٹرافی ہے۔

☆ وقار یونس: میری بیگم سے زیادہ جارحانہ اور طوفانی بیٹنگ کوئی نہیں کرسکتا

☆ سچن ٹنڈولکر: ہر گفتگو میں میری بیگم ہمیشہ اوپننگ بیٹس مین رہتی ہے۔

☆ کرگیل: کوئی کمنٹیٹر میری بیگم سے اچھی رواں کمنٹری نہیں کرسکتا۔

☆ اے۔ بی۔ ڈویلیئر: میرے چھکوں کی میری بیوی کے چھکوں کے سامنے کوئی قدر و قیمت نہیں۔

☆ یونس خان: میری بیگم ذرا ذرا سی بات پر مجھے بیک ٹو پویلین (میکے جانے کی) دھمکی دیتی ہے۔

☆ ہاشم آملہ: میری بیگم ہر ٹاس جیتتی ہے کیونکہ وہ میرے دل کی کپتان جو ہے۔

سید ظہیر غزالی کی کتاب ''بکھرے پتے'' سے چند افسانچے

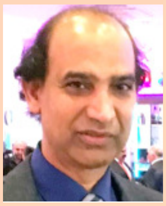

پالش والا صاحب

''پالش کرالو صاحب...''

اور وہ آواز سن کر رک گیا۔ اُس نے جیب سے اٹھنی نکال کر نوجوان کے ہاتھ پر رکھنا چاہی تو جوان تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ ''نا صاحب! اسے اپنے ہی پاس رکھو۔ میں فٹ پاتھ پر اپنی عزتِ نفس کا سودا کرنے نہیں آ بیٹھا۔ اپنی محنت مزدوری کا عوضانہ لینے آتا ہوں۔ پالش کروانی ہے تو کرواؤ ورنہ اپنا راستہ لو۔'' وہ حیران رہ گیا۔ شہر کا وہ متمول شخص جس کے سامنے بڑے بڑے سرکاری افسران جوتیاں گھستے تھے۔ ہاں لیکن یہ عزتِ نفس والا ہے! اُس نے دل میں سوچا۔ اور پیر بکس پر رکھ دیا۔ نوجوان نے جلدی جلدی مختلف ڈبیاں کھولی اور پالش کرنے لگا۔ الٹے پیر کے جوتے کو خوب چمکانے کے بعد وہ بولا۔ ''دیکھ لو صاحب کس قدر چمک اٹھا ہے جوتا۔ امیروں کے جوتے کی چمکدار نوک میں غریبوں کا چہرہ تو نظر آ جاتا ہے۔ لیکن انکے سیاہ دل میں خود انکا اپنا عکس تک نہیں ملتا۔'' وہ خاموش رہا اور پیسے ادا کر کے چلدیا۔ دوسرے دن سیٹھ نے اُسی پالش کرنیوالے نوجوان کو اپنے دفتر بلوایا۔ ''کیا تعلیم ہے''؟۔ اُس نے نوجوان سے پوچھا۔ ''اس سال گریجویٹ ہو جاؤنگا''۔ نوجوان نے جواب دیا۔ ''ویل۔'' سیٹھ بولا۔ ''مجھے یہی توقع تھی۔'' ''دیکھو۔'' سیٹھ نے بات آگے بڑھائی۔

''آج سے تم ہماری فیکٹری کے... پرڈکشن مینجر ہو۔ جاؤ ہمارا آدمی تمہیں فیکٹری دیکھا دے گا۔'' چند ماہ بعد وہی نوجوان دوبارہ سیٹھ کے کمرے میں آتا ہے۔ ہیلو کہہ کر سیٹھ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''نہیں۔'' نوجوان نے سختی کہا۔ ''میں اِستعفیٰ لیکر آیا ہوں۔'' اس نے جب سے ایک کاغذ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ ''سنو۔'' نوجوان پھر بولا۔ ''مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہاری فیکٹری میں جعلی اور نشہ آور ادویات بنتی ہیں۔ میں اب ایک لمحہ بھی تمہارے یہاں کام نہیں کرسکتا۔'' ''ہوں!۔'' سیٹھ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''تم اتنے عرصے بعد بھی وہی... بوٹ پالش کرنے والے ہی رہے میں نے چاہا تھا کہ کسی کے چمکدار جوتے میں تمہارا عکس بننے کے بجائے خود تمہارے جوتے میں چمک آ جائے۔'' سیٹھ بولتا رہا۔ ''لیکن افسوس!۔'' ''میرے جوتے پر چمک دلانے کا شکریہ۔'' نوجوان نے جذبات سے پُر لہجے میں کہنا شروع کیا ''ایسی سیاہی پر جو میرے جوتے کو چمکیلا اور میرے دل کو سیاہ کر دے، میں لعنت بھیجتا ہوں۔ اتنا کہہ کر نوجوان مڑ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔'' ''نان سنس۔'' سیٹھ نے بڑبڑاتے ہوئے کاغذ پھاڑ کر ہوا میں اُچھال دیا۔''

گناہِ کبیرہ

''آرِمی تُمار کے چھاڑ بونا۔'' میرے سینے پر سوار شخص نے اپنے چمکدار چھرے کی نوک میری گردن پر چبھوتے ہوئے کہا تو میرے سامنے موت ناچنے لگی۔ ''مم مگر.. ہمارا دوش تو بتاؤ... تم کیوں مجھے مار ڈالنا چاہتے ہو۔'' میں نے لڑکھڑاتی زبان میں جرح کی۔ ''دوش...'' اُس نے میرے جملے کو دہراتے ہوئے غصے سے مجھ پر تھوک دیا اور بولا۔ ''دیکھو میری آنکھوں میں تمہارے لئے کونسا جذبہ ہے۔ بس یہی تمہارا دوش ہے۔'' میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا وہاں سوائے نفرت کے اور کچھ نہ تھا۔ میں چند لمحے اسے تکتا رہا۔ پھر اچانک میرے منہ سے بے تحاشہ قہقہے بلند ہونے لگے۔ میں پاگل وحشی کی مانند قہقہہ لگا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ چیختا جا رہا تھا۔ ''ہاہا نفرت کی سزا ضرور دو مجھے... ہاں ہر نفرت کرنیوالے انسانوں سے نفرت کرنیوالے کو ضرور سزا ہونی چاہیے۔'' میری کیفیت دیکھ کر مجھ پر سوار شخص حیران ہو رہا تھا۔ وہ سمجھا میں موت کے خوف سے پاگل ہو چکا ہوں۔ وہ میرے سینے سے اُترا اور پھر ایک طرف کو چلدیا...

پابندی

سارے شہر میں ہفتہ ٹریفک منایا جا رہا تھا۔ جگہ جگہ پوسٹر نصب تھے۔ کہیں 'سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر چلیں' کا بورڈ لگا تھا تو کہیں 'ٹریفک اور سگنل کی پابندی کریں' کی عبارت درج تھی۔ میں نمائش پر کھڑا بس کا انتظار کر رہا تھا۔ سامنے پولیس کی چوکی تھی جس کے احاطے میں بھی ہفتہ ٹریفک کے سلسلے میں ایک بورڈ لگا تھا۔ سپاہی کے اشارے پر تمام گاڑیاں رُک گئیں لیکن ایک نوجوان موٹر سائیکل سوار نے جو بہت ہی تیزی سے آ رہا تھا۔ سپاہی کی پرواہ کئے بغیر نکلنا چاہا۔ مگر وہ گلی سے نکلتے ہوئے ٹرک کو نہ دیکھ سکا۔ اور سڑک کراس کر کے آگے بڑھا ہی تھا کہ ٹرک کا ہارن پورے زور سے گونجا۔ لیکن دیر ہو چکی تھی۔ موٹر

سائیکل سوار ٹرک کے ایک ہی ٹکر میں مع موٹر سائیکل کے اُچھل پڑا۔ نوجوان تو وہیں پر ہی گر گیا مگر موٹر سائیکل سامنے لگے بورڈ کو توڑتی ہوئی چوکی کے احاطے میں جا گری۔ 'ٹریفک سگنل کی پابندی کریں' لکھی عبارت کا بورڈ زمیں بوس ہو چکا تھا۔

فرض شناس

ٹیلی فون کے محکمے میں لائین مین ہونے کی وجہ سے اسے اتنی تو سہولت تھی کہ وہ دنیا کے جس حصے میں چاہتا پلک جھپکتے پہنچ جاتا لیکن کسی کھمبے پر سے اور کسی بنگلے کے ٹیلیفون کے ذریعہ۔ وہ آج بھی مزے سے اپنے ایک دوست سے امریکہ بات کر رہا تھا کہ اچانک اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اوپر سے گذرنے والا بجلی کا تار نہ معلوم کس طرح ٹوٹ کر اس پر گرا اور چند لمحوں میں اسے خاکستر کر گیا۔ آناً فاناً سارے شہر میں خبر پھیل گئی۔ اخبارات اس کی تصویر چھاپ رہے تھے۔ اس کے پس ماندگان کو تعزیت نامے مل رہے تھے اور اس کے ورثاء کو دس ہزار روپے کا انعام اور معاوضہ دینے کا اعلان بھی کر دیا گیا۔۔ اس کی فرض شناسی کو سراہنے کے لئے...

بل فائیٹنگ

رنگ ماسٹر اُچھل کر بھینسے پر سوار ہو گیا اور بھینسے نے اُچھل کود مچانا شروع کر دیا۔ ایک جھٹکے سے باڑ کا گیٹ کھلا اور بھینسے نے ایک ہی ہلے میں سوار کو پیٹھ پر سے اُتار پھینکا۔ اب اس بھربھری مٹی کے گداز سے رنگ میں ماسٹر اور بھینسے کی موت وزندگی کا فیصلہ ہونا تھا۔ ماسٹر نے زمین سے اُٹھتے ہوئے مجمع پر نظر ڈالی۔ بچے بوڑھے زور زور سے قہقہے لگا رہے تھے۔ ایک ادا سے گھومتے ہوئے اس نے اپنی قبا اُتاری اور تیزی سے پیچھے ہٹنے لگا۔ کچھ دور کے فاصلے پر بھینسے نے اپنے قدم جمائے اور اتنی تیزی کے ساتھ ماسٹر کی طرف لپکا کہ ماسٹر اگر اُچھل کر پرے نہ ہو جاتا تو بھینسا اُس کا کچومر ہی نکال دیتا۔ بھینسے کے وار کو جھکائی دینے کے بعد، نوجوان بہت ہی محتاط ہو گیا تھا۔ جتنی دیر بھینسے کو تیزی سے آگے نکل کر اور پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنے میں لگتی، اس کے پاس بس اب اتنا ہی وقت رہ گیا تھا۔ قبا کو اُلٹا کر کے اسنے دونوں ہاتھوں سے جھٹکا دیا اور ہوا میں لہراتے ہوئے وہ تیار ہو گیا۔ بھینسے نے جب پھر دوڑ نے کی پوزیشن لی تو ماسٹر دوسری جانب سرخ رنگ کا کپڑا پھیلائے اس کا منتظر تھا۔ پھر وہی ہوا... بھینسا مارا گیا اور اُس کو بھوننے کی تیاری شروع ہو گئی۔ ہر دفعہ یہ کھیل ہوتا ہے اور لڑائی میں بھینسا اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ لیکن جنگ ہارنے سے قبل اس کی آنکھوں کی نمی اپنے آباؤ اجداد میں سے اس بزدل کی یاد میں ہوتی ہے جس نے جنگ کی مشکلات سے بچنے اور مرنے کے خوف سے عین لڑائی میں اپنی جان کے عوض ایک راز فاش کر دیا تھا۔ اسی لئے ماسٹر ہمیشہ سرخ کپڑے کی سہولت سے یہ جنگ جیت لیا کرتا ہے۔

لگان

''منشی جی جلدی کریں آج سارا حساب کتاب ہو جانا چاہیے میری جانب سے زکوٰۃ فنڈ میں واجب الادا رقم آج ہر حال میں جمع ہو جانی چاہیئے۔'' ''حضور!'' چوہدری مقبول کے پیچھے سے ایک ہلکی سی آواز ابھری۔ ''کیا ہے۔'' چوہدری چلایا۔ ''حضور ایک کسان آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' ''کیوں؟'' چوہدری پیر پٹختے باہر نکل گیا۔ ''لگان تو تمہیں دینا ہی ہوگا۔'' چوہدری زور دے کر بولا۔ ''سرکار میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، میں انہیں کہاں سے کھلاؤں گا۔ کچھ تو غریب پر رحم کیجئے۔'' کسان گڑگڑاتا رہا۔ ''ارے تم اس کے لئے زکوٰۃ فنڈ سے مدد کیوں نہیں لے لیتے۔۔۔۔!''

لائٹ ہاؤس

رات کے اندھیرے میں روشنی کا منارہ لائٹ ہاؤس ہر آتے جاتے جہاز کو راہ دکھاتا اور ملاح اور کپتان اس کے شکرگذار ہوتے۔ اس رات بھی ہمیشہ کی طرح سناٹا اور ہو کا عالم تھا کہ اچانک نیوی کی گشتی لانچ کی آواز نے سکوت کو توڑ دیا۔ لہروں کی ہلچل سے لائٹ ہاؤس بھی نہ بچ سکا، اُٹھتی لہریں اس سے اپنا سر ٹکرانے لگیں اور پھر واپس پلٹ کر ٹکرانے کی تیاری کرنے لگیں۔ ہارن کی آواز اور لانچ کے انجن کا شور بتا رہا تھا کہ قریب ہی کوئی نیوی کی لانچ کسی اسمگلروں کی کشتی کا پیچھا کر رہی ہے۔ تیزی سے قریب آتی لانچ کی آواز کے ساتھ ہی گولی چلنے کی آواز آئی اور لانچ کا تیز روشنی پھینکتا لیمپ بجھ گیا۔ گشتی لانچ کا عملہ اندھیرے میں صرف کشتی کی آواز سے اندازہ لگا کر اسمگلروں کی کشتی کی سمت کا تعین کر رہا تھا۔ اچانک لائٹ ہاؤس کا گردش کرتا روشنی کا ہالہ سمندر کے پانی پر پڑا اور اسمگلروں کی کشتی اس کی روشنی سے نہا گئی۔ گشتی عملے کو سنہری موقع مل گیا۔ ہاتھ سے نکلتے شکار کو ایک بار پھر سے جکڑنے کا۔ کچھ دیر بعد ہی ہتھکڑیوں سے بندھے اسمگلروں کی قطاریں لگیں تھیں اور لائٹ ہاؤس نے اپنا حق ایک بار پھر سے ادا کر دیا تھا۔

***

جستہ جستہ

عاصی صحرائی

پاکستان

کنڈیکٹر کو کرایہ دینے کے لئے سائیڈ جیب میں ہاتھ ڈالنے لگے تو ساتھ بیٹھے اجنبی نے اُن کا ہاتھ سختی سے پکڑتے ہوئے کہا...نہیں بابو صاحب آپ کا کرایہ میں دیتا ہوں" بابو نے بہت کہا کہ وہ اپنا کرایہ خود دے گا لیکن اجنبی بہت مہربان ہو رہا تھا اور اسکا کرایہ کنڈیکٹر کو دے دیا...اگلے سٹاپ پر اجنبی بس سے اُترا اور بابو کسی چیز کو جیب سے نکالنے لگا تو سر تھام کر بیٹھ گیا، اس اجنبی نے اس کی جیب کا صفایا کر دیا تھا"...دوسرے دن بابو صاحب نے اس چور کو بازار میں پکڑا تو وہ چور بابو کو گلے لگا کر رونے لگا"...بابو صاحب مجھے معاف کردو تم سے چوری کرنے کے بعد میری بیٹی مرگئی"...بابو نے نرم دلی سے ساتھ اس کو معاف کر دیا ...چور چلا گیا لیکن گلے ملتے وقت اُس نے پھر بابو کی جیب کا صفایا کر دیا تھا"...چند دن بعد بابو صاحب موٹر سائیکل پر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں اُن کو اس چور نے روکا، چور نے روتے ہوئے بابو صاحب سے معافی مانگی، بابو کو اس کے سارے پیسے بھی لوٹا دیئے اور پاس کی دوکان میں لے جا کر پیپسی پلانے کے بعد چلا گیا بابو خوشی خوشی جب اپنی موٹر سائیکل والی جگہ آیا تو دیکھا کہ اس بار چور اس کی موٹر سائیکل لے گیا تھا۔...سبق !!! یہی حال پاکستانی عوام اور حکمرانوں کا ہے، عوام بار بار ان پر اعتماد کرتے ہیں اور حکمران ہر بار انہیں نئے طریقے سے لوٹتے ہیں لیکن عوام ہیں کہ عقل کے اندھے ہیں۔

یقین

ایک مسجد کے سامنے شراب خانہ کُھلا مسجد میں نمازی ہر نماز کے بعد اس کاروبار کی ناکامی کے دُعائیں مانگتے۔ کچھ دن بعد شراب خانے میں شارٹ سرکٹ ہونے کی وجہ سے سب کچھ جل کر خاکستر ہو گیا۔ شراب خانے کی مالک نے امام مسجد اور نمازیوں کے خلاف کیس درج کروا دیا۔ اس نے موقف اختیار کیا کہ میری دوکان جلنے کی وجہ وہ دُعائیں تھی جو ہر روز مسجد میں کی جاتی تھیں۔ مسجد کے نمازیوں اور امام مسجد نے اس بات سے انکار کیا کہ آگ ان کی دُعاؤں کی وجہ سے لگی ہے۔ جج نے اپنا فیصلہ سُناتے ہوئے کہا کہ اس مقدمے کا فیصلہ کرنا بہت مُشکل ہے کیونکہ شرآب خانے کے مالک کو دُعاؤں کی طاقت پر یقین ہے، جبکہ نمازی اس پر یقین نہیں رکھتے۔

اوسو کے اقوال

محبت کا "م" بھی کچھ نرالا ہے،

مل جائے تو میاں نہ ملے تو ماموں

محبت کا ح بھی کچھ کم نہیں، مل جائے تو حقیقت نہ ملے تو حسرت

محبت کا ب بھی کتنا نرالا ہے، مل جائے تو بیوی نہ ملے تو باجی

محبت کا ت بھی ہے لاجواب، مل جائے تو تقدیر نہ ملے تو توبہ

"نفس"

وہ کتا ہے جو انسان سے غلط کام کروانے کے لئے اس وقت تک بھونکتا رہتا ہے جب تک وہ غلط کام کروا نہ لے۔ اور جب انسان وہ کام کر لیتا ہے تو یہ کتا سوجاتا ہے لیکن سونے سے پہلے ضمیر کو جگا جاتا ہے۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

بابا جی کہا کرتے تھے پتر! اگر دروازہ پتھر کا ہو تو دستک ریاضت ہے لیکن دروازے کے پیچھے پتھر ہو تو دستک حماقت ہے۔

* ۔بھٹو کے علاقے میں احمدیوں نے 285 کنوئیں بنائے ہیں پتہ نہیں بھٹو یہ دیکھ کر اب بھی زندہ ہے کہ نہیں۔ احمدیوں کی فلاحی تنظیم "ہیومنٹی فرسٹ پاکستان" نے امسال تھر میں پانی کے 285 کنوئیں کھدوا کر وہاں پینے کے پانی کا بندوبست کیا ہے۔ تنظیم کے مطابق ہر ایک کنوئیں کی تیاری پر اڑھائی سے تین لاکھ روپے تک کی لاگت آئی ہے۔ ان کنوؤں سے تقریباً اڑھائی لاکھ لوگ اور تین لاکھ کے قریب مویشیوں کو فائدہ ہوگا۔ امید ہے اس سال مسلمانوں کے بچے اور مویشی، پیاس اور قحط سے نہیں مریں گے۔!

پانچ ہزار برس کی مذہبی تعلیمات کے بعد بھی یہ دنیا مسلسل بد سے بدترین کی طرف گامزن ہے۔ اگرچہ اس سیارے پر معبدوں، مسجدوں، گرجوں، پروہتوں، معلموں، درویشوں وغیرہ کوئی کمی نہیں ہے مگر لوگ ابھی تک مذہبی نہیں بن سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہب کی اساس جھوٹی ہے۔ مذہب کی اساس زندگی نہیں ہے۔ مذہب کو موت سے بنایا گیا ہے۔ (اوسو)

مسلمانوں کے زوال کی وجہ ان کی سوچ ہے

ڈاکٹر عبدالسلام

مسلمانوں نے اپنی شان وشوکت بڑھانے کے لئے عالیشان عمارتوں اور بیش قیمت مساجد کا سہارا لیا اور انکے نزدیک مغلیہ دور کی چھوڑی گئی یادگار عمارتیں اور قلعے ان کا فخر ہیں۔ اگر انہوں نے کبھی اس بوسیدہ سوچ سے نکل کر علم کی قدرومنزلت کو جانا ہوتا تو آج وہ اس قدر ذلیل وخوار نہ ہوتے۔ جس وقت مسلمان اپنی عمارتوں کی تعمیر میں اپنی دھاک بٹھانے میں مصروف تھے۔ اس وقت دیگر قومیں علم کے حصول میں یونیورسٹیوں اور لائبریریوں کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ دونوں اپنی اپنی سوچ کے مطابق اپنے اپنے مقام پر ہیں۔"

جاہل کا گمان

* ۔ ایک صحابی نے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ آپ (حضرت محمد ﷺ) کا پاخانہ مبارک کھا جاؤں۔ (پیر افضل قادری)

* ۔ صحابہ کرام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب مبارک اور خون پی کر شفاء حاصل کرتے تھے۔ (خادم رضوی)

* ۔ سرکارِ دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب تھوکتے یا اپنی ناک مبارک صاف کرتے تھے تو صحابہ ہاتھ پھیلا کر وہ رطوبت لیکر اپنے چہرے پر مل لیتے تھے۔ (پیر افضل قادری)

بے چارگی

شوہر: "تم میرے ساتھ واک پر چلوگی۔"

بیوی: "تمہارا مطلب ہے کہ میں موٹی ہوگئی ہوں۔"

شوہر: "اوکے، نہیں نہیں پسند تومت چلو۔"

بیوی: تمہارا مطلب ہے کہ میں سست ہوں۔"

شوہر: غصّہ کیوں کررہی ہو۔"

بیوی: تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں ہمیشہ جھگڑا کرتی ہوں؟"

شوہر: میں نے ایسا تو نہیں کہا۔"

بیوی: تمہارا مطلب ہے، میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"

شوہر: "اوکے بابا، مت جاؤ، میں اکیلا ہی چلا تا جاتا ہوں۔۔"

بیوی: "مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم اکیلے ہی کیوں جانا چاہتے ہو۔"

شوہر: "اف۔" (اس نے اپنے سر کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لئے تھے)

پانچ منٹ کے لئے

☆ اگر زمین سے پانچ منٹ کے لئے آکسیجن ختم کردی جائے تو کیا ہوسکتا ہے۔

☆ کنکریٹ سے بنی ہوئی تمام عمارتیں گرجائیں گی، کیونکہ آکسیجن ان کو اُٹھا رکھنے میں مددگار ہے۔

☆ تمام سمندروں سے پانی ختم ہوجائے گا کیونکہ آکسیجن کے بعد اس میں صرف ہائیڈروجن باقی رہ جائے گی۔

☆ ہم سب کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے کیونکہ ہم ہوا کا 21 دباؤ کھودیں گے۔

☆ زمین کھردری ہوجائے گی کیونکہ زمین کا 45 فیصد حصہ آکسیجن سے بنا ہے۔ آکسیجن کے بغیر کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔

باتوں سے خوشبو آئی

☆ خوشیاں بھی ساون کے بادلوں کی طرح ہوتی ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب اور کہاں برس جائیں۔

☆ جو راستوں کے عشق میں گرفتار ہوجاتے ہیں، منزلیں ان سے دور جایا کرتی ہیں۔

☆ ہر چھوڑ کر جانے والا شخص بے وفا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر ساتھ رہنے والا شخص آپ کا اپنا نہیں ہوتا۔

☆ ہمارے اکثر بولوں پر تقدیر کا لکھا مسکرا رہا ہوتا ہے۔

☆ انسان مایوسی کی انتہا پر پہنچتا ہے تو معجزوں کو آواز دیتا ہے۔

☆ انسانیت نور کا دریا ہے، جو ازل کی وادیوں سے نکل کر ابد کی راہوں میں بہتا ہے۔

☆ حق دو شخصیتوں کا محتاج ہے، ایک جو اس کا اظہار کرے دوسرا وہ جو اسے سمجھ سکے۔

کامیابی کا راز

کولمبس نے شادی نہیں کی، اس نے امریکا ڈھونڈ لیا۔ کیونکہ اس سے کبھی کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ... کہاں جارہے ہو؟ کیوں جارہے ہو؟ کس کے

ساتھ جا رہے ہو؟ کب تک واپس آ ؤ گے؟ میں بھی ساتھ چلتی ہوں ۔تم اکیلے کیا کرو گے؟ گھر رہ کر ہی امریکہ ڈھونڈ لو۔آپ چھوڑ دو، کوئی اور ڈھونڈ لے گا۔ میں اکیلی گھر میں رہ کر کیا کروں گی؟ اچھا بچوں کو بھی ساتھ لے جائیں۔میرے لئے کیا لاؤ گے؟ کوئی اور چکر تو نہیں؟ اچھا واپسی پر دہی لیتے آنا۔

اگر آپ نہ ہوتے

اگر آپ نہ ہوتے تو میں کس کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھتی۔کس سے اپنی فرمائشیں پوری کرواتی۔اگر آپ نہ ہوتے تو کون اُٹھاتا میرے نخرے، کون میری ضدوں کو پورا کرتا۔اگر آپ نہ ہوتے تو کون میرے مستقبل کو سنوارتا، صحیح غلط کی تصحیح کرتا۔کس کے سینے پر سر رکھ کر روتی، کسے بتاتی اپنے دُکھ...؟ امی پاپا! آپ نہ ہوتے تو میں کیسے اس دنیا کا سامنا کر پاتی۔

شعری ڈکشنری

☆ بجلی: تو جو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔

☆ طالب علم: زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے۔

☆ امن: ہم تم کو ڈھونڈتے ہیں، تم بھی ہمیں پکارو۔

☆ عشق: جتنے حسین مرض ہیں، سب لا علاج ہیں۔

☆ کنوارا: بیٹھوں کہاں کہ سایہ دیوار بھی نہیں۔

☆ وفا: وہ آج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے۔

☆ وعدہ: جس کے چہرے پہ سبھی جھوٹ کی تحریریں ہیں۔

☆ ساس: سو بھی جاؤں تو ترے خواب جگا دیتے ہیں۔

☆ مہنگائی: ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے۔

☆ دل: اور تم بھی لے آئے سائبان شیشے کا۔

☆ آٹا: جو میری سانسوں میں تحلیل ہے، خوشبو کی طرح۔

☆ بیگم: تیری جبیں کہ یہ بل آج بھی سلامت ہیں۔

سیلفی

ماں گھبرائی ہوئی بولی۔"بیٹا! جلدی آجاؤ، بہو کو فالج کا اٹیک ہوا ہے۔ منہ ٹیڑھا، آنکھیں اوپر اور گردن گھوم گئی ہے۔" "رہنے دیں امی! وہ سیلفی لے رہی ہوگی۔" بیٹے نے جواب دیا۔

بچے من کے سچے

ایک چھوٹا بچہ اپنے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک سیب لئے کھڑا تھا۔ اس کے والد نے مسکراتے ہوئے کہا "بیٹا ایک سیب مجھے دے دو۔" اتنا سنتے ہی اس بچے نے ایک سیب کو اپنے دانتوں سے کاٹ لیا۔اس سے پہلے کہ اس کے والد اس سے کچھ اور کہتے۔اس نے دوسرا سیب بھی اپنے دانتوں سے کاٹ لیا۔اپنے بیٹے کی یہ حرکت دیکھ کر والد دھک سے رہ گئے، ان کے چہرے سے اب مسکراہٹ بھی غائب ہوگئی تھی۔تب ہی بیٹے نے اپنے ننھے ہاتھ کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔"ابو یہ لیں، یہ والا سیب زیادہ میٹھا ہے۔" شاید ہم کبھی کبھی پوری بات اور معاملات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

احتجاجی بینر

کہتے ہیں کہ خواتین دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک وہ جو منہ کے اندر زبان رکھتی ہیں، دوسری زبان کے اندر منہ رکھتی ہیں، ویسے ایک بات تمام خواتین میں مشترک ہے کہ وہ کان نہیں رکھتیں۔دنیا کا دستور ہے کہ وہی چیز اپنے پاس رکھی جائے، جسے استعمال کر سکیں۔چنانچہ شوہر اپنے پاس کانوں کا رکھنا بہت ضروری سمجھتے ہیں، رہ گئی بات داڑھی کی، اسے مرد اپنی مردانگی کے اظہار کے لئے رکھنا چاہتے ہیں حالانکہ شوہر بننے کے لئے اکثر مرد داڑھی منڈوا دیتے ہیں، وجہ اس کی ہمیں کوئی خاص معلوم نہیں، صرف اتنا پتہ ہے کہ شادی کے بعد مرد، مرد نہیں رہتے، زن مرید بن جاتے ہیں یعنی شادی کے بعد مرد، بیوی کا مرید بن جاتا ہے۔مرد کے چہرے پر مونچھوں کو جو مقام حاصل ہے وہ "احتجاجی بینر" کا سا ہے، اسے عین ناک کے نیچے لہرانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔چنانچہ والدین اپنی ناک کی خاطر مونچھوں کے آگے جھک جاتے ہیں اور بیوی کے آگے مونچھیں۔فرائڈ سے کسی نے پوچھا کہ لڑکی کس قسم کا شوہر چاہتی ہے؟ تو بولا...اپنے باپ جیسا چنانچہ لڑکی اپنے ہونے والے شوہر کا وہی حشر کرتی ہے جو اس کی ماں نے اس کے باپ کا کیا ہوتا ہے۔ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ لڑکی کی رُخصتی کے وقت میکے والے دھاڑیں مار مار کر اس لئے روتے ہیں کہ انہیں لڑکی کی جدائی کا غم ہوتا ہے حالانکہ لڑکی کی والدہ کی آنکھوں کے سامنے اس وقت اپنے شوہر کا ماضی اور داماد کا مستقبل ہوتا ہے۔

کتنا بدل گیا انسان

عابد حسین دستگیر
کراچی

جب ہم جوان تھے تو ہم نے یہ گانا بارہا سنا تھا! ''کتنا بدل گیا انسان'' لیکن اس وقت ہم نے گانے کو گانے کی حد تک سنا۔ الفاظ پر رتی برابر بھی غور نہیں کیا۔ آج ہم نے اس کے الفاظ پر غور کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ انسان واقعی بدل گیا ہے۔ ایک دور تھا جہالت کا، جب لوگ اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ چور چکاری، لوٹ مار آئے دن کا معمول تھا۔ قتل و غارت گری کھیل تماشا سمجھا جاتا تھا۔ یعنی اس زمانہ میں کون سی ایسی خرافات نہ تھی جو لوگوں میں نہ تھی، اس کے بعد سہانا دور آیا۔ لوگ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے لگے۔ جوں جوں تعلیم سے آشنائی ہوئی توں توں برائیوں کا خاتمہ ہونے لگا۔ عقل و شعور اُجاگر ہوا اور لوگوں نے بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے محبت کا درس سیکھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے انسان اتنا بدل گیا کہ لوگوں کے دکھ، سکھ سانجھے ہونے لگے۔ اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ لوگ اتنے شیر و شکر ہو گئے کہ معلوم کرنا دُشوار ہو گیا کہ کون اپنا ہے اور کون پرایا۔ کون رشتہ دار اور کون غیر ہے۔ زمانے نے پھر کروٹ لی اور ہم پھر انسان سے درندہ بن گئے۔ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود جاہل سے بھی بدتر۔ کون سا ایسا شیطانی کرتوت ہے، جو ہمارے وجود میں پنہاں نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے جو مظالم ڈھائے، وہ شاید قابل معافی ہوں کیوں کہ وہ جاہل تھے لیکن ذرا سوچیئے کہ کیا ہم معافی کے قابل ہیں؟ ہرگز نہیں! کیوں کہ ہم تعلیم یافتہ ہیں اور سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کی آج کا انسان کتنا بدل گیا ہے تو غلط ہوگا۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ انسان کتنا نہیں، بالکل بدل گیا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ والدین، جہاں ان کے گھروں میں باادب اولاد موجود ہے۔ جھوٹ بولنا ایک فیشن اور ماڈرن گھرانوں کی علامت ہے۔ ماردھاڑ روزانہ کا معمولی کھیل ہے۔ یہاں تک کہ ہم نے ندامت، پشیمانی اور توبہ کو عمیق گہرائی میں دفن کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص توبہ کی دعوت دے اور آخرت کے حساب کتاب کی باتیں کرے تو یہ کہہ کر بات ختم کر دی جاتی ہے کہ جب باز پرس ہوگی تو دیکھا جائے گا۔ وہ وڈیرہ جو کبھی اپنی رعایا کے ساتھ باپ کا کردار ادا کرتا نظر آتا تھا، آج وہی اپنی اولاد سے کھلواڑ کر کے خوش ہے۔ کون سا ایسا محکمہ ہے، جہاں رشوت کا بازار سرِ عام گرم نہیں۔ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے اور ہر طرف شکرے ہی شکرے ہیں، جو کمزور چڑیوں کے شکار میں مصروف ہے۔ ہمارے ملک کا نام کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ''اسلامی جمہوریہ پاکستان''، لیکن افسوس نہ اس ملک میں اسلام کی جھلک نظر آتی ہے، نہ ہی جمہور۔ جمہوریت کا راگ الاپا جا رہا ہے مگر ڈکٹیٹرانہ انداز میں۔ جائز حقوق کی بات پر سوائے لاٹھیوں اور گولیوں کے کچھ نہیں ملتا۔ سوائے ایک پاک فوج ہے، جو اپنی جانوں کے نذرانے دے کر ملک کی سلامتی کے ساتھ امن کے لئے کوشاں ہے۔ تمام لوگ اس پاک دھرتی کو اپنی ماں سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن دھرتی ماں کی چھاتی پر، جو کوڑے کے ڈھیر ہیں، کیا ہمیں نظر نہیں آتے۔

وطن سے محبت ان کا دعویٰ لیکن اسے صاف کرنے کو کوئی تیار نہیں۔ عوام اور سیاستدان ہوں یا حکمران، سب کے سب کارِ گند میں اپنا اپنا حصہ ڈالنے میں مصروف ہیں۔ کراچی جو کبھی روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا، آج اس میں اندھیروں کا راج ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کراچی، پاکستان میں نہیں۔ اس کی بہتری کے لئے نہ کوئی کام کرنے کو تیار ہے اور نہ کسی کو کام کرنے کا موقع فراہم کیا جا رہا ہے۔ حاکم وقت کو پیسہ بنانے اور کرسی مضبوط کرنے کی فکر ہے۔ کیا کبھی سرکار نے سوچا کہ رکشہ ڈرائیوروں اور مسافروں کے مابین کرائے پر کس طرح تکرار ہوتی ہے۔ انہیں تو صرف اتنا کرنا آتا ہے کہ 12 سیٹس والے رکشہ کو بند کر دیا جائے۔ کیا حکومت کی یہ ذمہ داری نہیں بنتی کہ وہ رکشہ میں میٹر لگا دیں تاکہ دنگا فساد نہ ہو۔ سرکار کو اتنا یاد ضرور رہتا ہے کہ شادی ہال کی روشنی کب بند کی جائے اور مارکیٹ میں تالے جلد سے جلد لگا دیئے جائیں۔ اس پر طرّہ یہ کہ شاہی فرمان تو جاری کر دیا جاتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں ہوتا۔ کچھ عرصہ قبل ہیلمٹ کا شوشہ چھوڑا گیا، اس پر عمل ٹائیں ٹائیں فش نظر آیا۔ ابھی کچھ دن پہلے اس کی یاد دہانی کرائی گئی ہے اور وارننگ دی کہ کچھ عرصہ بعد کوئی بھی بغیر ہیلمٹ شارع فیصل پر آنے کی کوشش نہ کرے۔ کیا پھر کراچی کو دوسرے طریقے سے No Go area بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایک ایسا دور بھی تھا، جب محمود اور ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے تھے لیکن آج محمود اور ایاز کا کاندھے سے کاندھا جوڑ کر کھڑے ہونا تو کجا، راستے بھی جدا کرنے کی فکر لاحق ہے۔ انسان کے اس بدلنے کا کیا فائدہ جو آپس میں نفاق پیدا کرے۔ تاثر یہ دیا جارہا ہے کہ شارع فیصل صرف اُمراء کی ہے اور غرباء کے لئے لالوکھیت کی سڑک ہی کافی ہے۔ باور یہ کرایا جارہا ہے کہ غریبوں کا مرجانا ہی بہتر ہے کیوں کہ وہ ایک ہیلمٹ بھی نہیں خرید سکتے۔

غریبوں کو روٹی اور پانی چاہئے، ہیلمٹ نہیں اور انصاف کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فوقیت بھوک اور پیاس کو دینی چاہئے، ہیلمٹ کو نہیں۔ آج کا انسان کیا بدلا، اس کا رہن سہن اور طور طریقے بھی بدل گئے۔ یہاں تک کہ اسلامی معاشرتی اور اخلاقی اقدار کی دھجیاں بکھیر دی گئیں۔ مہذب گانے مارکیٹ سے غائب ہیں اور ان کی جگہ ان گانوں نے لے لی ہے، جس میں نہ سُر ہے نہ تال، صرف اور صرف بے ہودہ وہ اشعار۔ مثلاً ''کڑ بکڑ بمبے بو، اسّی نوے پورے سو، رات کے بج گئے پونے دو، جو ہونا ہے ہونے دو۔ اس کے بعد میرا قلم لکھنے سے قاصر ہے کیوں کہ وہ بے شرم نہیں، انسان کی طرح اور بدلے گا بھی نہیں انسان کی طرح۔

***

ڈاکٹر منصور خوشتر مولانا ظہور رحمانی ایوارڈ سے سرفراز

بزمِ رہبر کے زیر اہتمام آل بہار مشاعرہ کانعقاد

دربھنگہ (نمایندہ) صوبہ بہار کے دربھنگہ ضلع کے نوجوان شاعر وصحافی ڈاکٹر منصور خوشتر کو ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں بزمِ رہبر نے ''مولانا ظہور رحمانی ایوارڈ'' سے نوازا۔ اس موقع پر بزمِ رہبر نے آل بہار مشاعرہ کا انعقاد کیا جس کی صدارت عالمی شہریت یافتہ شاعر ڈاکٹر عبدالمنان طرزی اور نیاز احمد (سابق اے ڈی ایم) نے مشترکہ طور پر کی اور نظامت کے فرائض مشہور ومعروف شاعر جمیل اختر شفیق نے بحسن وخوبی انجام دئے۔ اس تقریب میں شہر کے اہلِ علم ودانش نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔ ملّت کالج کے کانفرنس ہال میں پر وقار تقریب کا انعقاد اور سامعین کے جمِ غفیر سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ منصور خوشتر کی ادبی خدمات کو تمام لوگ سراہتے ہیں۔ بزم کی جانب سے منصور خوشتر کو سند، شال، ٹوپی اور خوبصورت مومنٹو اور گلدستہ دے کر عزت افزائی کی گئی۔ ساتھ ہی عرفان احمد پیدلؔ کو صحافتی خدمات کے لئے اور ڈاکٹر عقیل صدیقی کو انجمن ترقی اردو کے کمشنری رکن کے لئے اور ڈاکٹر عالم گیر شبنم کو ریاستی نائب صدر بننے پر اعزاز دیا گیا۔ جو ان کی غیر موجودگی میں ان کے رفقاء نے حاصل کئے اس موقع پر عالمی شہرت یافتہ شاعر پروفیسر عبدالمنان طرزی نے اپنا تاثر پیش کرتے ہوئے کہا کہ جہاں ایک طرف منصور خوشتر نے صحافت اور نثری میدان میں کارہائے نمایاں انجام دئے وہیں دوسری طرف ''کچھ محفلِ خوباں کی'' شعری مجموعہ کے ساتھ معتبر اشعار سے قارئین کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ انہوں نے ایک منظوم تاثر بھی پیش کیا جس میں انہوں نے کہا کہ ؎

مختلف صنفوں میں دکھلایا ہے ان کا اجتہاد
جس سے ظاہر خود ہی ہو جاتا ہے اُن کا انفراد
تبصرے ہوں کہ مقالے اُن کے، ہیں منظوم ہی
تذکرے شعری کو اپنا مانتے مقسوم ہی

وہیں اس موقع پر ڈاکٹر احسان عالم نے ڈاکٹر منصور خوشتر کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ آج بہار اور بہار سے باہر اِن کے کارناموں کو لوگ سراہنے لگے ہیں۔ چند لوگ اپنا قیمتی وقت صرف یہ جاننے میں ضائع کرتے ہیں کہ یہ شخص اتنا کام کیسے کرتا ہے۔ بہر حال آج ہندوستان اور بین الاقوامی سطح پر لوگ ان کے ادبی کارناموں سے معترف ہو چکے ہیں۔ وہیں آل انڈیا مسلم بیداری کارواں کے قومی صدر نظر عالم نے اپنے بیان میں کہا کہ مقامی سطح پر بزمِ رہبر کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یقینا ارادب، اردو زبان کو جس پلیٹ فارم نے سچے دل سے اپنایا اور اس سے جڑ کر اردو شاعری کی جمالیات سے خواص عام کو محظوظ کروایا وہ اور کوئی نہیں بزمِ رہبر ہی ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اردو کی موجودہ حالت اور اردو پروفیسر اور ان کی بد دماغی شاید لازم وملزوم ہے۔ ڈاکٹر خوشتر اردو دنیا کا وہ نام ہے جنہوں نے ماہرینِ ادب و ماہرینِ زبان وادب کے رہبر معلوم پڑتے ہیں۔ اللہ انہیں نظر بد سے محفوظ رکھے۔ بزمِ رہبر نے ڈاکٹر منصور خوشتر کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں نوازنے کی جو پہل کی ہے ہم اس کی بے حد تعریف کرتے ہیں اور بزمِ رہبر کی نظرِ انتخاب کی داد دیتے ہیں۔ بزمِ رہبر کے سرپرست انجنیئر عمر فاروق رحمانی کی محنت ومشقت سے بزم کا پروگرام کافی کامیاب رہا جس کے لئے تمام دانشورانِ شہر نے رحمانی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

***

ایک اور جابر منصف

اے آر خاں لندن

جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے بطور وکیل لال مسجد مولانا عبدالعزیز کو دہشت گردی کے مختلف مقدمات میں ضمانت دلوائی۔ موصوف پرویز مشرف کے خلاف افتخار چودھری کی تحریک کے سرگرم رُکن اور افتخار چودھری کے قریبی ساتھی تھے اور بارہا اسلام آباد میں وکلاء دھرنوں اور لاک ڈاؤنز کا حصہ رہے۔ جج بننے کے بعد اُنہی کی عدالت میں پرویز مشرف کا کیس پیش کیا گیا۔ موصوف نے فوری طور پر نہ صرف ان کو گرفتار کرنے کا حکم دیا بلکہ ان کے مقدمے میں دہشت گردی کی دفعات بھی شامل کرنے کا حکم جاری کیا۔ (عام طور پر جانبداری کے خدشے کے پیشِ نظر جج حضرات از خود ایسے کیس سننے سے معذرت کر لیتے ہیں) لال مسجد والوں ہی کی درخواست پر جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے معروف اینکر مبشر لقمان پر بین لگایا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کوئی نوٹس بھی جاری نہیں کیا گیا۔ جسٹس صدیقی صاحب نے 2016ء میں لال مسجد کے خادم منظور حسین کا نام فورتھ شیڈول سے نکالنے کا حکم جاری کیا۔ ان پر الزام تھا کہ وہ دہشت گردوں کے لیے فنڈنگ کر رہے ہیں اور گھر میں پناہ دیتے ہیں۔

جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے خلاف بلٹ پروف گاڑی کا کیس سننے سے معذرت کرلی تھی۔ جسٹس شوکت عزیز صدیقی جنگ گروپ اور جیو کے مالک میر شکیل الرحمن کے قریبی دوست ہیں۔ میر شکیل الرحمن کی درخواست پر جسٹس شوکت صدیقی نے پی ٹی وی کے مینیجنگ ڈائرکٹر یوسف بیگ کو ان کے عہدے سے برطرف کرنے کا حکم جاری کیا۔ آپ نے دھرنوں کے لیے مشہور جماعت اسلامی کے رکن کی حیثیت سے ایم ایم اے کے جھنڈے تلے حلقہ این اے 54 سے انتخاب بھی لڑا ہے اور بدترین شکست کھائی۔ کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ایک ذمہ دار افسر نے جسٹس شوکت عزیز صدیقی کے خلاف سپریم جوڈیشل کونسل میں اختیارات کے ناجائز استعمال اور کرپشن کا ریفرینس دائر کیا تھا۔ شوکت صدیقی کو نواز شریف کی خاص ہدایت پر اسلام آباد کے سب سے مہنگے سیکٹر ایف 6 میں بنگلہ الاٹ کیا گیا، پسند نہ آیا تو دوسرا الاٹ کرایا، وہ پسند نہ آیا تو تیسرا الاٹ کرایا، اسکی ڈیکوریشن پسند نہ آئی تو سی ڈی اے سے زبردستی مرمت کے نام پر 1 کروڑ 20 لاکھ روپے کے ٹینڈر منظور کرائے۔ 1 کروڑ 20 لاکھ میں نیا بنگلہ تعمیر ہوجاتا ہے۔ ڈسٹرکٹ بارز ایسوسی ایشنز نے شوکت عزیز صدیقی کے خلاف کئی ریفرینسز فائل کئے کہ یہ بارز کے انتخابات پر اثر انداز ہوتا ہے اور سیاست میں ملوث ہوتا ہے۔ ان ریفرنسز کا کیا ہوا؟ گستاخانِ رُسول کے خلاف سوموٹو لے کر پوری قوم کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ خلاف فیصلہ آتا تو فیصلہ دینے والے بھی ملحد اور گستاخوں کے ساتھی کہلاتے ہیں۔ اس لیے ریفرنسز ختم، جس کے فوراً بعد جج موصوف نے گستاخانہ پیجز والا ڈرامہ بند کر کے شکرانے کے نفل پڑھنے کا اعلان کر دیا) ہاں یاد آیا۔

اسلام کے اس سچے عاشق رسول کا ایک بھائی اندر ہے کیپٹن ریٹائرڈ زیدی انٹر سیکورٹیز رسک کا مالک۔ کیونکہ اس پر مشرف دور میں بلیک واٹر سے روابط و اسلحہ سپلائی کیس بنایا گیا تھا۔ نواز شریف کے سب سے قریبی ساتھی عرفان صدیقی جسٹس شوکت عزیز صدیقی کے فرسٹ کزن ہیں۔ سپریم کورٹ کو گالیوں اور توہین سے لبریز تقریریں نواز شریف کو عرفان صدیقی ہی لکھ کر دیتے ہیں۔ تازہ ترین واقعہ میں جسٹس شوکت عزیز صدیقی کا گھناؤنا کردار کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ جب پاک فوج نے آپریشن کے بجائے محض بات چیت سے دھرنا ختم کروادیا تو موصوف آپے سے باہر ہوگئے۔ کئی مبصرین کے مطابق ایک انتہائی خوفناک اور گہری سازش ناکام بنائی گئی جس میں ایک بار پھر پاک فوج کو اپنی ہی لوگوں سے لڑانے کا پلان تھا۔ پاک فوج سے موصوف کی نفرت کا اندازہ اس بات سے کیجیئے کہ کچھ عرصہ پہلے اس نے اچانک اسلام آباد انتظامیہ کو حکم دے کر مشہور زمانہ پریڈ گراؤنڈ کا نام تبدیل کروا کر ڈیموکریسی پارک رکھ دیا۔ اس گراؤنڈ پر پاک فوج سالانہ پریڈ کرتی ہے۔ یہ تو ہے جناب جسٹس صاحب کا مقام اور کردار۔ جس انسان کا خمیر ہی بد دیانتی اور بد نیتی سے اُٹھا ہو اس سے خیر کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اب موصوف نے اپنی فطرت کے مطابق انتہا پسندوں کا حقِ نمک ادا کرتے ہوئے ایک اور فرعونی فیصلہ دے مارا ہے۔ اگر شارکٹ یزیدزندیقی صاحب کو ذرا بھی انٹرنیشنل قوانین کا شعور ہوتا۔ اور اسلامی حقوق انسانیت کا علم ہوتا تو اپنی کورچشمی سے احتراز کرتے۔ مگر دیوبندی اور بریلوی مذہب کے گروہ تو یزید کو بھی امیرالمومنین مانتے ہیں۔ ان سے کوئی خیر کی توقع عبث ہے۔ مذہب کا معاملہ جبکہ خدا اور انسان کا درمیانی معاملہ ہے۔ اس میں دخل اندازی کرنا تو عملِ فرعون ہے۔ شارکٹ یزیدزندیقی صاحب نے مذہب بدلنے کا اختیار بھی عدلیہ کو دے دیا ہے۔ مورخہ 26 فروری 2018ء کو محترم نے تبدیلی مذہب کا حکم عدالت سے لینے کا فیصلہ دیا ہے۔ جبکہ قرآن کہتا ہے۔ لا اکراہ فی الدین۔ لَکُم دینکم ولی دین۔ ان الذین امنو ثم کفروا ثم امنو ثم کفرو ثم ارادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا یھدیھم سبیلا جو لوگ ایمان لائے پھر کفر اختیار کیا پھر ایمان لائے پھر کفر اختیار کیا اور پھر کفر میں بڑھ گئے تو ان کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی مغفرت نہیں۔ اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو بار بار ایمان لانے کا ذکر کیسا؟ خود تو بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا قانون ہے۔ ہر فرعون را موسیٰ۔ خدا تعالیٰ ہر فرعون کے لئے ایک موسیٰ پیدا کرتا ہے۔ اب دیکھیئے۔

اس خبیث کو میرا رب کب سمیٹتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے بوجھ سے اس دھرتی کو جلد پاک کردے۔ جسٹس شوکت صدیقی جیسی شخصیت اگر یورپ میں ہوں تو لوگ ایک سیکنڈ کے لیے بھی اسے انصاف کی کرسی پر نہ بیٹھنے دیتے۔ اس جج کو سوشل میڈیا پر لوگوں کی اچھی یا بری باتیں خون کے آنسو رُلاتی ہیں اور مثال کی شہادت جیسے واقعات اِسلام کی سربلندی کا باعث رکھتے ہیں۔ سلمان تاثیر جیسے مقتول کے قاتل اسے اسلام کے مجاہد دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ ایسے ججوں سے قوم کو رہائی دے۔ یہ ہیں اسلامی عادل اور عدل فاروقی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تم مسلماں ہو کہ جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود

***

اردو جرمن کلچرل سوسائٹی کے زیر اہتمام
عاصمہ جہانگیر کے لئے فرینکفرٹ میں۔تعزیتی جلسہ

ادارہ

فرینکفرٹ (پ ر) جرمنی کے شہر فرینکفرٹ میں اُردو جرمن کلچرل سوسائٹی نے مشہور وکیل اور حقوق انسانی کے حوالے سے عالمی شہرت کی حامل شخصیت عاصمہ جہانگیر کے حوالے سے تعزیتی ریفرنس کا انعقاد کیا جس کی صدارت وومن رائٹرز فورم کی صدر اور بون یونیورسٹی میں اُردو کی استاد بشریٰ اقبال ملک نے کی۔ مقررین میں دو معروف صحافی شیراز راج اور خالد حمید فاروقی بھی شامل تھے۔تقریب کے آغاز میں اُردو جرمن کلچرل سوسائٹی کے صدر عرفان احمد خان نے مقررین اور سامعین کو خوش آمدید کہتے ہوئے تقریب کے انعقاد کی غرض بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ عاصمہ جہانگیر کی وفات پر جرمن وزارت خارجہ، رولنڈ فاؤنڈیشن اور فری ڈیموکریٹ سیاسی پارٹی نے خدمات کے ذکر پر تعزیت بیان جاری کیا ہے۔اس لئے ضروری تھا کہ جرمنی میں آباد پاکستانیوں کی طرف سے عاصمہ جہانگیر کو خراج عقیدت پیش کیا جائے۔ اجلاس کی پہلی مقررہ ایک طالبہ یوسرا افتخار جنہوں نے انگریزی زبان میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ دنیا فانی ہے۔

لوگ گزر جاتے ہیں، لیکن یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اچھے، نیک اور بنیادی حقوق کے لئے آواز اُٹھانے والوں کا مشن جاری رکھیں۔ ہمیں عاصمہ جہانگیر کو یاد کرتے وقت یہ سوچنا ہے کہ ہم کس طرح آگے بڑھ سکتے ہیں۔ وہ ہمیں ذمہ داری سونپ گئی ہیں کہ ہم نے معاشرہ میں اقلیت اور بے گناہ لوگوں کو حقوق لے کر دینے کی مہم کو جاری رکھنا ہے۔ منور علی شاہد، میر سلیم احمد، افنان خان نے اپنی تقریر میں کہا کہ عاصمہ جہانگیر نے بیک وقت کئی سمتوں میں کام کیا۔ محکوم طبقات کا ہمیشہ ساتھ دیا۔ ان کے حقوق کے لیے ہمیشہ میدان عمل میں موجود رہیں۔ خالد حمید فاروقی کا کہنا تھا کہ جمہوریت کو کمزور کرنے والوں کے خلاف اپنی رائے کے

اظہار میں عاصمہ جہانگیر نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ اس حوالے سے ان کا ذہن بالکل صاف تھا۔ وہ عوام کی سیاست کی قائل تھیں۔ شیراز راج جن کو 25 سال عاصمہ جہانگیر کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جو معاشرہ عاصمہ جہانگیر پیدا کرتا ہے اس سے مایوس نہیں ہوتا، وہاں روشنی کی کرن ہر وقت موجود ہے۔ مقامی شاعرہ عشرت مٹو نے کہا کہ عاصمہ کا سب کے ساتھ انسانیت کا رشتہ تھا۔ انہوں نے بلا امتیاز و مذہب رنگ و نسل ہر مظلوم کی مدد کی۔ اجلاس کی صدر بشریٰ اقبال نے اپنے صدارتی ریمارکس میں کہا کہ ہم جو پردیس میں بیٹھے ہیں ان میں ہر ایک کوئی نہ کوئی زخم لے کر آیا ہے، لیکن عاصمہ ایک ایسی شخصیت تھیں کہ وہ زخم کھا کر حالات کا مقابلہ آخری سانس تک کرتی رہیں۔ پاکستان میں بیگم رعنا لیاقت علی، فاطمہ جناح، بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے بعد عاصمہ جہانگیر کی شخصیت ایسی ہے جس کی مثالیں دی جایا کریں گی۔ اس موقع پر اسحاق ساجد اور میر نسیم الرشید نے منظوم کلام بھی پیش کیا۔ ***

ٹائم فریم

چوہدری نعیم احمد باجوہ

سوشل میڈیا پر میں نے اسلام آباد ہائی کورٹ کے جج جناب جسٹس شوکت عزیز صدیقی پر ایک تبصرہ پڑھا کہ ''جج صاحب جج بنیں مولوی نہ بنیں'' اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ کہتے ہیں کسی نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا اتفاقاً اس چور کی داڑھی بھی تھی۔ اس پر دیکھنے والے نے کہا توبہ توبہ کیسا زمانہ آ گیا ہے کہ مولوی بھی چور بن گئے ہیں۔ یہ بات سن کر کسی منچلے نے تبصرہ کیا کہ مولوی چور نہیں بن گئے۔ چوراں نے داڑھیاں رکھ لیاں نے۔ یعنی مولوی چور نہیں بن گئے چوروں نے داڑھیاں رکھ لی ہیں۔ واقعتاً کچھ ایسی ہی افسوسناک صورت حال وطن عزیز میں روز بروز ترقی پزیر ہے۔ مذہب کی چادر اوڑھ کر اپنے ننگ چھپانے اور دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش رواج پکڑ گئی ہے۔ داڑھی والے ''چور'' مذہب پر ایسے گفتگو کرتے ہیں جیسے اس تاریک دور میں فقط وہی ایک مینارہ روشنی ہوں۔ کچھ ایسا ہی مینارہ روشنی اور حواس باختہ قوم کا ہیرو بننے کی خودساختہ خواہش آج کل ایک معزز منصب پر فائز جناب جسٹس شوکت عزیز صدیقی صاحب کی ہے۔ ان کا ایجنڈا کیا ہے؟ خواہشات کیا ہیں۔ بقول شکیب جلالی:

کوئی اس دل کا حال کیا جانے
ایک خواہش ہزار تہہ خانے

ان دیکھی خوشیوں اور خواہشات کی تکمیل میں ایک مقدمے کی سماعت کے دوران میں دیگر غیر متعلقہ معاملات کو گھسیٹتے چلے جا رہے ہیں۔ موصوف اپنی بانجھ خواہشات کے ساتھ خود بھی اس گڑھے کے کنارے پہنچ گئے ہیں جہاں سے کوئی آج تک باہر نہ آ سکا۔ معزز جج صاحب اپنے فرض منصبی سے بہت دور جا کر خالق اور مخلوق، عبد اور معبود، کے درمیان کھڑا ہونے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ کہتے ہیں ایک دفعہ ارسطو کسی جگہ بیٹھا اپنے انداز سے غور فکر میں مصروف تھا۔ اچانک اس جگہ سے حاکم وقت کا گزر ہوا۔ بادشاہ رکا اور ارسطو سے کہا آپ کو کسی چیز کی حاجت ہے تو بتایئے تاکہ اسے پورا کر دیا جائے۔ ارسطو نے کمال عظمت شان اور جرأت سے بادشاہ کو غلطی کی طرف توجہ دلائی اور کہا جناب والا! مجھے تو کچھ نہیں چاہیے۔ آپ براہ کرم میرے اور میری طرف آنے والی آسمانی روشنی کے درمیان حائل نہ ہوں۔ یہی التجا آج ہر صاحب عقل و ایمان موصوف جج صاحب سے بھی بزبان حال و قال کہہ رہا ہے۔ جناب معزز جسٹس صاحب آپ میرے اور میرے خدا کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ اس جگہ کھڑے ہونے کی زحمت نہ فرمائیں جہاں کسی کو بھی کھڑے ہونے کی اجازت نہیں۔ جناب شوکت عزیز صدیقی صاحب! آپ کس حکم خداوندی کے تحت اسلام میں داخل ہونے اور اسلام سے نکلنے پر پہرے بٹھانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ یاد رکھیں ہر دور میں ایسی کوششیں ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھتی رہی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خالق و مالک نے اس معاملے میں گھسنے کی کسی کو اجازت کبھی دی ہی نہیں۔ اس نے کبھی کسی کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان حائل ہونے کا اذن نہیں دیا۔

ہمیشہ ایسی رکاوٹ ڈالنے والوں کو نیست و نابود کر کے نشان عبرت بنا دیا۔ اگر آپ کلام الٰہی کا تھوڑا سا مطالعہ فرما لیں تو معاملہ بہت روشن ہو جائے۔ آپ کی سہولت کے لئے کائنات کے مالک کا یہ اعلان پیش خدمت ہے: فرمایا ''اعلان کر دیجئے کہ تمہارے رب کی طرف سے دین حق آ گیا ہے۔ پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔ (سورہ کہف) خدا تعالیٰ نے اپنے سب سے پیارے اور وجہ تخلیق کائنات ﷺ فداہ ابی و امی، کے ہاتھ میں بھی یہ اختیار نہ دیا کہ کسی کے ایمان کا فیصلہ فرمائیں۔ آپ ﷺ کو یہ اختیار نہ ملا کہ نومسلموں کو کبھی کوئی وارننگ جاری کریں۔ کوئی ٹائم فریم دیں۔ کیا آپ نے سنا یا پڑھا کہ نومسلموں کو کبھی ٹرائی پیریڈ پر مسلمان بنایا گیا ہو۔ کبھی یہ کہا گیا ہو کہ دو تین ماہ نمازیں وغیرہ پڑھ کے ٹرائی کر لیں۔ اگر واپس جانا ہے تو اس عرصے میں جانا ہوگا۔ بعد ازاں یہ دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا؟ پھر یہیں جینا مرنا ہوگا۔ ہمیشہ کے لئے مسلمان ہی رہنا ہوگا خواہ تمہارا دل مطمئن ہو یا نہ ہو۔ نماز پڑھو یا نہ پڑھو، روزے رکھو یا نہ رکھو، حج کرو یا نہ کرو، زکوٰۃ دو یا نہ دو لیکن خبردار مسلمانی کا ٹائٹل چھوڑا تو۔ کیا کبھی کسی دور میں ایسا ٹائم فریم دیا گیا۔؟ جناب جسٹس صاحب! بطور ایک عام انسان اور دنیا دار ہی اپنے شعور و فکر کو تھوڑی زحمت دے لیجئے کہ آزادی انسان کا بنیادی حق ہے۔ کیا عدل فاروقی کے نعرے لگانے والوں تک سیدنا عمر فارق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد گرامی نہیں پہنچا۔ جب انہوں نے بصرہ کے گورنر حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو ڈیوڑھی میں دربان کھڑے کرنے پر ڈانٹ دیا۔ اور فرمایا خدا تعالیٰ نے انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے تم نے کب سے انہیں غلام بنانا شروع کر دیا۔

دنیوی قوانین میں بھی آزادی کو بنیادی حق جبکہ گرفتاری اور قید کو مجبوری مانا جاتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو عدالتیں ملزم کو آزاد کرنے اور ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دیتی ہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ اس شخص کا آزاد رہنا خطرناک

ہے۔مذہبی معاملات میں بھی آزادی بنیادی حق ہے۔مذہب پر پابندیاں لگانے کی خواہشات پالنے والے اور ایسی کوششیں کرنے والے ہر دور میں ظالم جابر، فرعون اور ابوجہل کہلائے۔اور ہر فرعون ہر ابوجہل اپنے بدانجام کو پہنچا۔میڈیا کے مطابق جسٹس صاحب نے کہا کہ ''شناختی کارڈ میں مذہب کی تبدیلی کے لئے صرف دو یا تین ماہ رکھیں۔'' آیئے اس دشمن حکمت اور دور از عقل وخرد حکم کا جائزہ لیں۔بالفرض آج ایک شخص عیسائی ہے۔اس کا شناختی کارڈ بطور غیر مسلم بن جاتا ہے۔اگلے سال وہ اسلام کی خوبصورت تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہونا چاہتا ہے۔لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسے نیا شناختی کارڈ تب ملے گا جب وہ آنجناب کی عدالت سے اپنی مسلمانی پر ٹھپہ لگوائے گا۔اگر عدالت کو تسلی نہ ہوئی کہ یہ شخص دل سے اسلام قبول کر رہا ہے یا ''مسلمانوں'' کی صفوں میں گھس کر کوئی کارروائی کرنا چاہتا ہے تو پھر کیا ہوگا؟۔اور وہ منظر کیسا ہوگا جب آپ کی عدالت یہ حکم جاری کرے گی کہ اس نو مسلم کو مسلمان 'بنایا' جائے۔پھر اس حکیم، نائی ڈاکٹر یا ہسپتال کی باتصویر رپورٹ آپ ملاحظہ فرما کر اس پر مسلمانی کی مہر تصدیق ثبت کریں گے۔اور اگر آج ایک شخص بطور مسلمان رجسٹریشن کرواتا ہے۔لیکن ایک سال بعد وہ آپ کے ''سرکاری اسلام'' میں نہیں رہنا چاہتا۔اس کا دل مطمئن نہیں تو کیا اسے اور اس کی آئندہ نسلوں کو منافق بن کر جینا پڑے گا۔بالفرض وہ آپ کے سرکاری اسلام سے نکلنے کے لئے بصد احترام آپ کے حضور حاضر ہو۔اور دست بستہ سر جھکائے یہ عرض کرنے آ بھی جائے کہ حضور والا مجھے آپ کے مذہب میں نہیں رہنا۔کیونکہ آپ کے اعمال نبی رحمت ﷺ کی سنت مطہرہ سے مطابقت نہیں رکھتے۔مسجد ومحراب ومنبر کے جھگڑے نے مجھے اس مذہب سے دل برداشتہ کر دیا ہے۔میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر ہوں جو مسجد میں ننھے بچوں کے ریپ اور بعد ازاں قتل میں ملوث ہے۔میں اس ''مسلمان'' قاری کے پاس اپنے بچے قرآن پڑھنے کے لئے نہیں بھیج سکتا جسے میں نے خود مسجد میں آنے والے معصوم بچوں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کرتے دیکھا ہے۔میں اس ''مولانا'' کو اپنی زکواۃ نہیں دے سکتا جو سالہا سال سے یتیموں اور بیواؤں کا حصہ کھاتا چلا جا رہا ہے۔جس نے زکوٰۃ اور صدقات سے اپنی محل نما کوٹھی تو بنالی ہے۔لیکن مسجد کے ساتھ والے مکان میں یتیم بچوں اور بیوہ کی خبر گیری کبھی نہیں کی۔امامت کے ''وظیفے'' سے اپنی عالیشان گاڑی تو لے لی لیکن منبر رسولؐ پر چڑھ کر رالیں پھینکتے ہوئے ہمیں سادگی کا درس دیتے نہیں تھکتا۔حضور والا! مجھے سیاسی اور ذاتی مقصد کے لئے قتل کے فتوے دے کر اور فساد فی الارض کرنے والی مساجد کے محراب ومنبر سے نفرت ہوگئی ہے۔ختم نبوت کے عظیم الشان اور مقدس خطاب سے کھلواڑ کرنے والے گندے سیاسی کارندوں کی تقریروں سے جی اُکتا گیا ہے۔اس پاک نام کی آڑ میں فحش گالیاں سننے کی برداشت ختم ہوگئی ہے۔توہین رسالت کے بے بنیاد الزام پر بے گناہ لوگوں کو زندہ جلانے کے عمل کو دیکھنے اور اس کا حصہ بننے کی سکت جواب دے گئی۔حضور والا! مجھے اس ''اسلام'' سے مخلصی درکار ہے۔مجھے اس مذہب سے باہر جانے اجازت مرحمت فرمائیں۔کیا آپ اور آپ جیسی ''عقل سلیم'' رکھنے والے ''معزز جج صاحبان'' کی عدالت عالی وقار اسے بصد مسرت واحترام جانے کی اجازت عطا فرمائے گی؟۔ہر گز نہیں۔بلکہ اسے کافر وزندیق ومرتد جان کر، مفت کی جنت کے حصول کے خواہاں، ''مجاہدین'' کے حوالے کیا جائے گا۔''جہاد فی سبیل اللہ'' کے منتظر جیالے اس کے خون کے پیاسے ہونگے۔شاید آپ کی معزز عدالت سے باہر نکلنے سے پہلے ہی اس کے بیوی بچے مار دیئے گئے ہوں گے۔

گھر جل کر گر رہا ہوگا۔ایک ہجوم بیکراں اُچھلتا کودتا، نعرے لگاتا، اسلام کو بچاتا فتح کا جشن منا رہا ہوگا۔اسلامی جمہوریہ پاکستان میں انسانیت جل رہی ہوگی اور دنیا ہمیں لعن طعن کر رہی ہوگی۔اور ہمارے اسلام کا مذاق اُڑا رہی ہوگی۔شوکت عزیز صدیقی صاحب مذہب کے معاملے میں دخل اندازی اور قدغنیں لگانے کی مثال پھلسن زدہ چٹان کی طرح ہے۔اس پر آج تک کوئی کھڑا نہ ہوسکا۔آپ بھی کھڑے نہ ہو پائیں گے۔یہ وہ چٹان ہے جس سے جب پھلسن شروع ہو جائے تو رُکنا ممکن نہیں اور انجام بخیر نہیں ہوتا۔جس نے بھی اس چٹان پر قدم جمانے کی کوشش کی اس کا انجام عبرت ناک ہوا۔پاک سرزمین میں اسی پھسلتی چٹان پر اپنے اقتدار کی عمارت بلند کرنے کے چکر میں پاپولر عوامی لیڈر کو گلیوں میں گندی گالیوں کی گونج خود سننا پڑی۔دوسروں کے مذہب کا فیصلہ کرنے والے کو اپنا ایمان ثابت کرنے کے لئے رُلتے اور روتے دیکھا گیا۔اس نے بھی خدا اور بندے کے درمیان کھڑے ہونے کی لا حاصل کوشش کی تھی۔اسے تو بعد موت بھی خاص ''فوٹو سیشن'' کے بغیر دفن ہونے کی اجازت تک نہ ملی۔پر بعد آنے والے نے بھی اس سے سبق نہ سیکھا۔وہ خود کو مطلق العنان سمجھتا تھا۔اور خود کو بڑا پہلوان تصور کرتے ہوئے اس پھسلتی چٹان پر قدم جمانے کی کوشش میں جہنم تک لڑھکتا چلا گیا۔آپ کو بھی متنبہ تو کیا جاسکتا ہے کہ اس پھلسنی زمین پر قدم نہ رکھیں کہ اس کا شمار محارم اللہ میں ہوتا ہے۔ہر بادشاہ کی ایک رکھ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رکھ اس کے محارم ہیں۔لیکن تاریخ یہی بتاتی ہے کہ جب تعصب اس قدر بڑھ جائے کہ ''آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب'' تو واپسی مشکل ہوا کرتی ہے۔ایسے معاملات میں انجام کوئی انوکھا نہیں ہوتا بلکہ وہی ہوتا ہے جو ازل سے مقدر ہے۔تاریخ کی سرچ لائٹ ایسے وجودوں کے ''کارناموں'' کے ننگ ظاہر کر کے نشان عبرت بنا دیا کرتی ہے۔فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

***

اے قاضئ شہر! احتیاط لازم ہے

اصغر علی بھٹی
نائیجر مغربی افریقہ

کہتے ہیں ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہ بارش میں کہیں جا رہے تھے کہ اُنہوں نے ایک بچے کو دیکھا جو بھاگم بھاگ کسی طرف دوڑا چلا جارہا تھا۔ آپ نے آواز دے کر بچے کو اپنی طرف متوجہ کیا اور فرمایا بیٹا احتیاط سے، کہیں بارش کیچڑ کی وجہ سے پھسل کر گِر نہ جانا۔ بچہ ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر امام صاحب کو مخاطب کر کے بولا ۔ امام صاحب آپ میری بات چھوڑیں ۔ میں گرا تو صرف ایک بچہ گرے گا مگر آپ گرے تو پوری امامت گر جائے گی ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک دم سے رک گئے اور پھر ساری عمر کے لئے آپ نے اس بچے کی نصیحت کو پلے باندھ لیا۔ یوں آپ نے ساری عمر اپنی جان کو کبھی رعائت نہیں دی مگر دوسروں کے لئے ساری عمر رعائتیں ڈھونڈتے گزار دی۔ آپ کا فتویٰ تھا کہ اگر جسم کے اتنے بڑے حصے پر گندگی لگی ہو اور نماز کا وقت قضا ہو رہا ہو تو صرف اس بات کو بہانہ بنا کر نماز نہیں چھوڑنا چاہئے مگر ایک دن کسی نے دیکھا کہ آپ کے کپڑوں پر چھوٹا سا داغ ہے اور آپ اس کو اس قدر مل مل کر دھو رہے ہیں پوچھا یا حضرت یہ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا وہ میرا فتویٰ تھا اور یہ میرا تقویٰ ہے ۔ یہی تقویٰ کے مینار اسلام کی مطہر تعلیمات کو چہار دانگ عالم میں پھیلا گئے اور اسلام آدھی دنیا کے دلوں کی دھڑکن بن گیا۔ مگر ہر دن کی ہم جولی ایک رات بھی ہوتی ہے۔

آج اسلام جس پس ماندگی کے دشتِ بیابان میں سسک رہا ہے اس کی بڑی وجہ رات کے پجاری یہی کچھ قاضی اور کچھ مفتی ہیں۔ کوفہ کا مفتی چند سکوں پر بکا تو اس نے صرف خانوادہ رسول ﷺ کا خون مباح نہیں کیا بلکہ پوری اُمت مسلمہ کو چیر کے رکھ دیا۔ قیامت تک جب جب شیعہ سنی نزاع ہو گا اس لعنت کی پھٹکار قاضی شریح آپ اور آپ کی قلم سے لکھے ہوئے اُن بدبودار الفاظ پر پڑتی رہے گی۔ اُمت مسلمہ کی بدنصیبی کا ایک گھناؤنا اور ڈراونا پہلو عراق پر حملے کے لئے ہلاکو خان کو دعوت دینا بھی ایک مفتی اور قاضی کی بداعمالیوں کا حصہ ہے۔ کتنا لہو بہا اور کتنے علم کے خزانے آگ کی لپٹوں میں جل کر خاکستر ہو گئے وہ لائبریریاں نہیں جلی تھیں وہ اُمت مسلمہ کا صدیوں تک کا مستقبل ایک ظالم مفتی نے جاہلوں حملہ آوروں سے دریا بُرد کروا دیا تھا۔

اور جب جب مسلمان بھوک و افلاس کے دہکتے ہوئے جہنم میں کادالفقرا ی یکون کفراً کے گڑھے کے کنارے پڑے مشرکین اور کافرین کی منہ سے گرتے ہوئے نوالوں کی طرف ٹکٹکی باندھے حسرت سے دیکھتے رہیں گے تب تب قسطنطنیہ کے مفتی کا لکھا ہوا ظالمانہ فتویٰ اس کی جہالت پر مہر لگاتا رہے گا۔ جس نے پریس کو خلاف اسلام بتا کر پریس لگانا حرام قرار دے دیا۔ یورپ نے پریس لگایا اور علمی انقلاب برپا کر دیا۔ ہمارے ہی علم کے تراجم کر کے اپنے بچوں کو پڑھانے والے آج چاند سے آگے کے سفر پر محو پرواز ہیں اور ہم کشکول اُٹھائے ان کے پیچھے پیچھے رینگ رہے ہیں کیوں آخر کیوں؟؟ صرف اور صرف ایک مفتی اور ایک قاضی کی کم علمی پر مبنی ناعاقبت اندیشانہ فتویٰ کی وجہ سے۔

حالیہ دنوں میں میرے شہر کے ایک اور معزز قاضی جناب شوکت صدیقی صاحب ایک بار پھر سے کچھ اسلامی مفتیان کے ساتھ مل کر ایک اور انوکھا شغل فرمانے میں مصروف ہیں کہ جس نے مذہب تبدیل کرنا ہو وہ پہلے ان کے پاس آئے اور پھر ان کی اجازت سے وہ مذہب تبدیل کر سکے گا میں نے ان کی اس مفتیانہ و قاضیانہ موشگافیوں کو پڑھا تو مجھے قسطنطنیہ کے وہ مفتی صاحب یاد آ گئے جنہوں نے اپنے سارے حوارین کے ساتھ، اپنے پورے علم کے ورقے کھنگالنے کے بعد یہ ارشاد فرمایا تھا کہ پریس لگانا اور اس میں کسی اسلامی کتاب کا چھپوانا حرام ہے۔ پھر یہ حرام حلال کیسے ہو جاتے ہیں بادشاہوں کے دربار میں وظیفے پانے والے ان قاضیوں کا قصہ سناتے ہوئے برصغیر پاک و ہند کے شیخ الحدیث اور اہل حدیث کے ممتاز عالم دین جناب مولانا محمد یوسف صاحب جے پوری اپنی مشہور تصنیف حقیقۃ الفقہ میں یوں درج فرماتے ہیں" ہارون الرشید نے اپنے گھر میں کسی کو زنا کرتے دیکھا، خود دیکھا اور سخت کوفت ہوئی کہ کیا کریں۔ خادم سے کہا کہ کسی فقیہ کو لے کے آ ۔ امام یوسف کا اس خادم سے رابطہ تھا وہ اُنہیں لے گیا۔ ہارون الرشید نے اُن سے پوچھا کہ اگر امام وقت خود کسی کو زنا کرتے دیکھے تو کیا کرے۔ اور اس وقت ہارون الرشید کے چہرے پر رنج کے آثار نمایاں تھے۔ امام یوسف سمجھ گئے کہ یہ ہارون الرشید کے گھر کا واقعہ ہے اُنہوں نے فتویٰ دیا کہ اس صورت میں حد نہیں ہے۔ ہارون الرشید بہت خوش ہوا اور امام یوسف کو انعام عطا فرمایا"

(کتاب الفقہ ص63 مولانا محمد یوسف جے پوری نعمان پبلی کیشنز)

پھر انہیں امام یوسف اور ہارون الرشید کا ایک اور واقعہ درج کرتے ہیں

"جب ہارون الرشید خلیفہ ہوا تو اپنے باپ کی ایک لونڈی پر اس کی طبیعت آئی۔ اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ اس لونڈی نے کہا کہ میں تیرے لئے حلال نہیں ہو سکتی کیونکہ تمہارے باپ نے میرے ساتھ خلوت کی تھی پھر ہارون کا عشق بڑھا تو اُس نے قاضی ابو یوسف کو بلا کر کہا کہ اس لونڈی کے حلال ہونے کی کوئی صورت ہے تمہارے پاس۔؟ کہا ہے۔ فرمایا کیا لونڈی جو دعویٰ کرے گی وہ مان لیا جائے گا۔

آپ اس کی بات نہ مانئے کیونکہ وہ جھوٹ سے محفوظ نہیں۔ اس فتویٰ پر ہارون الرشید خوشی سے جھوم اُٹھا اور اس فتویٰ پر ایک لاکھ درہم انعام کا حکم دیا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ یہ روپیہ اسی وقت رات کو ہی مجھے مل جائے۔ اس پر کسی نے کہا کہ خزانچی اپنے گھر ہے اور تمام دروازے بند ہو چکے ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا جب ہم بلائے گئے تھے تب بھی تو دروازے بند تھے آخر کھولے گئے''

(کتاب الفقہ ص 64 / 65 مصنفہ مولانا محمد یوسف جے پوری نعمان پبلی کیشنز)

جناب قاضی وقت صاحب اگر برا نہ منائیں تو دست بستہ عرض ہے کہ قاضی یوسف نے تو ایک لاکھ درہم ایک لونڈی حلال کرنے کے لیا تھا آپ اسلام آباد کے سب سے مہنگے سیکٹر f6 میں بنگلہ اور پھر ڈیکوریشن کے نام پر ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ کیا حلال کرنے کے لئے لئے بیٹھے ہیں۔ آپ کبھی کسی قاتل کا منہ چومنے نکل جاتے ہیں اور کبھی کسی لال مسجد والے منظور حسین کا نام فورتھ شیڈول سے نکالنے کے آرڈر جاری فرما دیتے ہیں۔ کبھی فوج کی پریڈ گراؤنڈ کا نام تبدیل کر دیتے ہیں تو کبھی اب مذہب تبدیل کرنے کے لئے پیغمبروں سے بھی بڑا دعویٰ کر کے حشر اُٹھا دیتے ہیں۔ آپ کے بھائی کیپٹن ریٹائرڈ زیدی صاحب (انٹر سکیورٹیز رسک کے مالک) بلیک واٹر جیسی مسلمانوں کی قاتل تنظیم سے تعلقات کی وجہ سے جیل میں ہیں اور آپ پر سپریم جوڈیشل کونسل میں کئی ریفرنسش چل چکے ہیں۔ اگر آپ واقعۃً مسلمان قاضی ہیں تو عمل سے دکھایئے۔ آپ دوسروں کے مذہب یا دوسروں کے اسلام پر تبصرہ کرنے اور تبدیلی کے سرٹیفیکیٹ دینے سے پہلے کروڑوں کے لگے دھبے دھویئے اور اپنے اوپر فتویٰ کی بجائے تقویٰ لاگو کیجئے۔ ورنہ ہر کوفہ و بغداد کے بنگلے لینے اور ان کی آرائش کے نام پر کروڑوں ڈکارنے والے قاضیوں کے بارے میں مولانا نیاز فتح پوری نے فرمایا تھا ''میں نے ان کے حرکات ناشائشتہ، ان کے اخلاق ذمیمہ، ان کے افعال رکیکہ اور ان کے مشاغل رذیلہ کو بے نقاب کر کے لوگوں کو بتایا ہے کہ ان کا وجود اللہ کا عذاب ہے۔ ان کی ہستی خدائی لعنت ہے جس نے مسلمانوں کو گھیر رکھا ہے۔ ان کا مقصود زندگی صرف ریا و مکر سے دولت کمانا ہے اور ان کو مطلق پروا نہیں اگر ان کی تعلیمات سے اسلام و صاحب اسلام دنیا میں بدنام ہو جائے۔ یہ مذہب اسلام کو بے عقلیوں کا مجموعہ بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ یہ ذہنی و عقلی آزادیاں سلب کر کے مسلمانوں کو درجہ انسانیت سے گرا کر حیوان بناتے جا رہے ہیں۔ یہ اس دور میں علم و روشنی میں ہمیں پھر جہل و تاریکی کی طرف لے کر جا رہے ہیں اور وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو ایک خودغرض نفس پرست انسان کر سکتا ہے۔ میں قرون اولیٰ کی تاریخ سے، عہد عباسیہ و امویہ کے واقعات سے حکومت ترکی و ایران کے حالات سے اور افغانستان کی روداد سے لوگوں پر ظاہر کیا ہے کہ اس گروہ نے انسانیت پر کیا کیا مظالم روا رکھے ہیں اخلاق کا خون کس بے دردی سے بہایا ہے۔ اگر مذہب اسلام حقیقتاً نام ہے انہیں عقائد و تعلیمات کا جو ان کی طرف سے پیش کی جا رہی ہیں اُنھیں اخلاق کو جو ان میں پائے جاتے ہیں، اُسی محبت و رواداری کا جو ان کی طرف سے ظاہر ہو رہی ہے اور اسی وسعت نظر و پر مائگی کا جو ان کے اقوال و افعال کی سرمایہ دار ہے تو میں نہائیت صفائی سے ایک بار اور ہمیشہ کے لئے اعلان کئے دیتا ہوں کہ میں مسلمان نہیں۔ لیکن اگر اسلام ضمیر و خیال کی آزادی کو نہیں چھینتا، اگر وہ فکر و رائے کی حریت کا دشمن نہیں اگر وہ بغیر اطمینان نفش پیدا کئے ہوئے بہ جبر اپنی حقیقت کسی سے تسلیم نہیں کرواتا تو اے مسلمانو میں تم سے ہی پوچھتا ہوں کہ ان مولویوں کو کیا حق ہے کہ مجھے اسلام سے خارج کریں۔ حکومت کی امداد سے کسی کو زبردستی مسلمان بنانا یا کسی کی آزادی خیال کو چھیننا، اسلام کی حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی، چنگیز و ہلاکو اس سے قبل ایسا کر چکے ہیں لیکن دنیا نے انھیں جیسا سمجھا وہ آپ کو بھی معلوم ہے اور مجھے بھی''

(من و یزداں ص 89 تا 92 مصنفہ علامہ نیاز فتح پوری آواز اشاعت گھر الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور)

قاضی صاحب احتیاط لازم ہے اور تب تو اور بھی جب پانچ میں سے تین انگلیاں اپنی طرف اشارہ کر رہی ہوں۔

پھر خدائی کا کیا دعویٰ کسی فرعون نے
پھر سر دربار کوئی معجزہ ہو جائے گا
اکثریت کا جو تم نے سانپ تھا پالا ہوا
کیا خبر تھی بڑھتے بڑھتے اژدھا ہو جائے گا

جسٹس صدیقی کی جیت قائداعظم کی ہار ہے

طاہر احمد بھٹی

کل اسلام آباد ہائی کورٹ کے جسٹس شوکت صدیقی نے زخموں سے چور، نڈھال، آدھا کٹا ہوا اور جگہ جگہ سے خون ٹپکاتا ہوا آزردہ و مغموم... سخت تکلیف میں کراہتا ہوا پاکستان قانونی طور پر آئینی موشگافیاں کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھوں سے جھپٹ کر ختم نبوت اور ناموس رسالت کے محافظوں کے حوالے کر دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یاسر لطیف ہمدانی، جبران ناصر، آپ اب جو مرضی کر لیں آپ کو اب یہ خطہ زمین جنت نظیر کوئی نہیں بنانے دے گا۔ آپ کے دائیں بازو کو انتہا پسندی کا کوڑھ ہو گیا تھا اور وہ مذہبی طور پر بدنیت اور خود غرض ہو گئے اور بنام اسلام اور بنام رسول انہوں نے جھوٹ، خیانت اور ظلم کو مباح اور حلال ٹھہرا لیا۔ اور آپ کا بایاں بازو ٹنڈا ثابت ہوا۔ وہ پورے سچ سے پہلے رک جاتا تھا۔

وہ وومین ڈے مناتا رہا، ویلنٹائن ڈے پہ بک بک کرتا رہا، رمشا مسیح پہ موم بتیاں جلاتا رہا مگر ٹاک شوز میں بیٹھ کر احمدیوں پر سٹیٹ سپانسرڈ، غیر سیاسی، غیر انسانی فیصلوں کو آئینی اور ان بدترین جہالتوں کو آئین پاکستان کی اسلامی شقیں کہتے رہے اور... در باطن مطمئن رہے کہ ان کا کیا ہے۔ یہ تو قادیانی ہیں۔ اقلیت...اقلیت...اقلیتوں کے حقوق...اسلام میں اقلیتوں کا تحفظ... یہ رٹ لگاتے رہے اور سنتے رہے اور آج اسلام آباد ہائیکورٹ کے جسٹس نے آپ کے لبرلزم کے تابوت میں کیل ٹھونک دی...اور یہ آخری نہیں ہے۔ ذرا پہلے یہ وضاحت کر دوں کہ یہ تابوت آپ کا اور آپ کی معاشرت اور ریاستی رٹ، آئین و قانون اور مقننہ اور عدلیہ کا تابوت ہے۔ یہ احمدیت کا تابوت نہیں ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پنجابی کی مثل ہے کہ "پہاڑ کولے اور نرم ہوتے تو گیدڑ کب کے چاٹ چکے ہوتے" اس لئے یہ بات تو دیکھی بھالی ہے کہ احمدیت کا مسئلہ ایک ہائیکورٹ کے فیصلے سے اٹکا ہوا نہیں تھا اور نہ ہے۔

یہ آپ کے دیکھتے دیکھتے جو ریاست، جمہوریت اور غیر جانبدار عدلیہ کی ڈگڈگیاں آپ ہر جگہ سنتے تھے ان کے پردے فاش ہو گئے ہیں۔ اور "آدھی حرام دی اور آدھی حلال دی" جو پالیسی چل رہی تھی کل سے وہ "اک پاسے" لگ گئی ہے۔ سہیل وڑائچ کل اپنی خیالی اور علامتی محبوبہ، جمہوریت کی تلاش میں نکلے تو وجاہت مسعود بڑے وثوق سے کہہ رہے تھے کہ ایک وفادار سپاہی کی طرح مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ یہ مشترکہ مقصد ہے۔

آپ دونوں سینئر اور معزز جرنلسٹ جائیے... بصد شوق اور جب آپ اس کو ملیں یا وہ آپ کو ملی تو ایک کالم نما خط لکھ کے ہمیں بھی بتائیے گا۔ آپ تو آپ رہے مجھے تو اب رضا ربانی اور تاج حیدر تک ناکام اور نارسا دکھائی دے رہے ہیں۔

پاراتھرماميٹر دا، سیاست چوہدری طالب دی
چادر جنرل رانی دی، تے چاردیواری جالب دی

آپ علم و فن اور فہم و دانش کے متلاشی اور طالب علم قسم کے سرخے اور لیفٹسٹ ہوتے تو ہم آپ کے فلسفوں پہ مجلسیں لگاتے اور آپ کہیں ملتے تو دو قدم بڑھ کے آپ سے مصافحہ کرتے اور پھر آپ لوگ اکیلے بھی نہ ہوتے اور نامراد بھی نہیں ہوتے۔

پھر تبدیلیاں اور انقلاب آپ لاتے نہ کہ آپ جیسوں کے ہوتے ہوئے "عمرانی معاہدے" کہیں اور ہو رہے ہوتے۔ آپ مولوی اور قرون وسطی کے انکار اور رد عمل کے طور پر دہریئے ہوئے مگر آدھے...لولے...لنگڑے...یک چشمے، دہریئے...! تم ہمیں کیا نئی منزل کی بشارت دو گے...کیونکہ آپ لوگوں کی فراریت پسند دہریت کے گھر میں اتنے دانے بھی نہیں تھے کہ آپ لوگ جان ایلیاء ہی بن جاتے۔ اسی لئے آپ ملاں رہے نہیں اور دہریے بنے نہیں۔ درمیان میں لٹکتے رہے۔ کلچرل اسلام بھی رکھا اور نماز بھی چھوڑ دی۔

اور فیض صاحب اس کو بھانپ چکے تھے جو کہا کہ:

صف زاہداں ہے سو بے یقیں، صف میکشاں ہے سو بے چراغ
نہ وہ صبح ورد و وضو کی ہے، نہ وہ شام جام و سبو کی ہے

یہ آج کا مضمون آپ کی نیم دلانہ جدوجہد اور واضح اور کھلی شکست کا نوحہ ہے۔ ادیب آپ کے گئے، شاعر آپ کے اٹھ گئے، مصور اور گلوکار، استاد اور بیوروکریٹ... سب جھونکے گئے اسی جہنم میں۔

کہاں عبدالمجید سالک اور عبدالماجد دریا بادی اور کہاں حامد میر اور ابصار عالم...لکھاری کو بھی ختم نبوت ہوگئی۔کہاں مسعود کھدر پوش اور مختار مسعود جیسے افسران اور کہاں یہ کہ پنجاب ایس اینڈ جی اے ڈی سے ریٹائر ہونے والا افسر اور یا مقبول جان کے نام سے خوب..شہرت کما رہا ہے۔مہدی حسن یا غلام علی کو کیا پڑی تھی ان بیانات کی...یا سلامت علی خان کیوں گواہیاں دیتے۔مگر ابرارالحق کو باقاعدہ بیان دینے پڑے۔عمران خان تو ختم نبوت کانفرنس سے سرٹیفکیٹ لے کر آیا۔اور تو اور...مسلح افواج کے آرمی چیف کے لئے آئی ایس پی آر اعلان کرتا رہا کہ...نہیں جناب، چیف صاحب سرٹیفائیڈ مسلمان اور ختم نبوت پر ایمان کی سند رکھتے ہیں۔

وقت دور نہیں جب آپ کے بچوں کے کان میں اذان کافی نہیں ہو گی...ممتاز قادری کے دربار کا تعویذ دھاگا اس نومولود کی مسلمانی کی ضمانت ٹھہرے گا۔اس لئے وہ جو لکیر واضح ہونی شروع ہوئی تھی اب پوری طرح کھچ گئی ہے اور آپ نے کھینچ دی ہے۔اس کا ثواب اب سب کو ملے گا کیونکہ آپ نے یہ کارِ ثواب مل کے کیا ہے۔

سن انیس سو ستانوے کی جیوڈیشل اکیڈمی کے جج صاحبان ایسے نہیں تھے اور دو ہزار بارہ میں بھی میں نے بھوربن میں ایک تین روزہ کانفرنس میں شرکت کی تھی جو اقوام متحدہ کے ادارے اور پاکستان جیوڈیشل اکیڈمی کی مشترکہ کوشش تھی اور پاکستان بھر کے ججز شامل تھے مگر...اب جو میرے ہمسفر ہیں، رفتگاں ایسے نہ تھے۔

لیکن مسئلہ ہی یہ ہے کہ دھیرے دھیرے اترتا عذاب بھی بڑا عجیب اور ہولناک ہوتا ہے۔اس کا دھیما پن ہی بتاتا ہے کہ آپ چیک میٹ کی طرف جا رہے ہیں۔کاش کسی نے جج صاحب کو یہ چال نہ چلنے دی ہوتی...وہ جس نے پوری دنیا بنائی ہے وہی ''پرائم موور'' ہے اور اس چال پہ اس کی مسکراہٹ اچھی نہیں ہے۔

آپ نے تو کر لیا اسلام نافذ...ہو گئے آئینی سقم دور اسمبلی کی قرارداد میں سے؟ پرانی سی ایک بات سنیں، قائداعظم یونیورسٹی کے ہاسٹل نمبر دو میں آئی۔آر، ہسٹری اور سائنس کے دوستوں کا مجمع ایک کمرے میں لیٹ نائٹ کینٹین سے پراٹھے کھا کے آئے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ پہ بحث ہو رہی ہے۔اور جو کچھ ڈاکٹر قاسم زمان کے لیکچر سے یہ سمجھے اس کو مولانا مشرقی، سر سید اور اقبال سے ملا جلا کر ایک فلاسفی گھڑی اور وہ بحث کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی۔اکثر قائدینز وہ تھے جو راوئینز بھی تھے۔اور راوین اگر بعد میں قائدینز بھی ہوں تو زیادہ خطرناک اور استرے ہوتے ہیں، ان میں سے ایک صاحب نے جو آج کل ہسٹری کمیشن کے چیئرمین ہیں نے ڈاکٹر مقبول کو جوان دنوں فزکس کے ایم فل میں تھے اور رضائی اوڑھے پڑے تھے، کہا کہ تسی وی کجھ بولو ایس بارے۔

مقبول نے رضائی میں سے سر نکال کے ایک جملہ کہا، کہ ''اگر یہ نشاۃ ثانیہ جو آپ سمجھ رہے ہیں اور بتا رہے ہیں...کبھی قیامت تک بھی ہوگئی، تو ہم جھوٹے اور ہمارا عقیدہ بھی غلط۔'' یہ کہا اور دوبارہ رضائی اوڑھ کر سو گئے...وہ کمرے کے لڑکے دو نمبر ہوسٹل سے نکل کر آج بڑے بڑے عہدوں اور اداروں کے سربراہ ہیں، مگر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا نام دوبارہ لیتے ہوئے میں نے کبھی نہیں سنا ان کو بلکہ بعض تو ہو ہی دہریہ گئے ہیں۔

مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ جج صاحب کے اس فیصلے سے پاکستان کے آئینی سقم بھی دور نہیں ہونگے اور پارلیمنٹ جس بے وقعتی و بے وقاری کو دیکھ چکی ہے اب عدلیہ نے اس کو اپنی طرف دعوت دے لی ہے۔البتہ اگر جیوڈیشل اکیڈمی کے کیریئر جج ہوتے تو شائید اسلام آباد ہائیکورٹ کے لئے اتنا بڑا نام کمانے سے احتراز کر جاتے۔پاکستانی اس لحاظ سے بدقسمت ہیں کہ اپنی بعض حرکتوں سے اللہ تعالی کے پاس صرف نظر کرنے کا جواز بھی نہیں چھوڑتے۔

بانیٔ جماعت احمدیہ کا دعوی اگر خدا کی طرف سے آنے کا نہ ہوتا تو خیر تھی...بات بندوں، اداروں اور ججوں کے درمیان ہی رہتی مگر مسئلہ یہ ہے کہ اگر ان کو واقعی خدا نے بھیجا ہے، اور واقعی خدا ہوتا ہے اور وہ درحقیقت زمین پر اپنے فرستادے بھیجتا ہے اور انسانی و مذہبی تاریخ میں یہ سلسلہ واقعی حقیقت ہے تو پھر...تو آپ نے یہ بڑا مہلک فیصلہ کیا ہے جج صاحب!!! اس سے تو پھر آپ نے گیند خدائے برتر کی طرف اچھال دی ہے...اور یہ اچھا نہیں ہوا...!

قل الھم مالك الملك توتی الملك من تشاءوتنزع الملك ممن تشاء اس پر ایمان ہے ناں؟ ہمیں اس پر ایمان ہے اور ہمیں آپ کے فیصلے کی پرواہ نہیں، اور زمینی ہمدردوں کی احتیاج نہیں۔

الیس اللہ بکاف عبدہ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟

رانا عبدالرزاق خانؔ اپنی تصنیفات کی روشنی میں

اسحاق ساجد
(جرمنی)

مکرم محترم رانا عبدالرزاق خان راجپوت زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۷۵ میں بی اے کیا۔پھر خلیج کے ملک بحرین میں ایگریکلچر ڈیپارٹمنٹ میں دس سال ملازمت کی۔برطانیہ میں ۲۰۰۵ سے مقیم ہیں اخبار یوکے ٹائمز لندن میں کئی سال سے گوشہ ادب کے ایڈیٹر ہیں۔کالم نگار، مقالہ نویس، شاعر وادیب ہیں۔ان کا تخلص عاصی صحرائی ہے۔

۲۰۱۳ء سے ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل کے نام سے اُردو میگزین نکال رہے ہیں اب تک ۶۴ ایشو منظر عام پر لا چکے ہیں۔ان کا یہ اُردو ادبی رسالہ دنیا کے تمام ممالک تک بذریعہ ای میلز اور ویب سائٹ جاتا ہے۔پانچ لاکھ سے زائد اردو جاننے والے اسے پڑھتے ہیں۔اب تک تین کتب ان کی منظرِ عام تک آ چکی ہیں۔ جن کو قارئین کی طرف سے بہت پذیرائی مل چکی ہے۔پہلی کتاب (قندیلِ علم) ان کے کالموں کا مجموعہ ہے جو کہ پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔دوسری کتاب (قندیلِ علم) ہے۔جو کہ اسلامی مضامین پر مشتمل ہے وہ بھی پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ تیسری کتاب جس کا نام دانشکدہ عظیم ہے جو کہ ساڑھے چھ صد صفحات پر مشتمل ہے ۔اس کتاب میں تعلیم الاسلام کالج کی تاریخ مرتب کی گئی ہے۔محترم رانا عبدالرزاق خان عرصہ دس سال سے لندن میں قندیل شعر وسخن کے پلیٹ فارم سے مشاعرے بھی کرواتے ہیں۔اب تک چالیس سے زائد مشاعرے کروا چکے ہیں۔جس میں پاکستان سے اور یورپ سے بڑے بڑے مشہور شعراء شمولیت کر چکے ہیں۔اردو ادب کی ترقی کے لئے شب و روز مسلسل کمر بستہ ہیں۔گذشتہ دہائیوں میں برصغیر پاک و ہند میں لکھنے والوں کے تین دھارے بہتے نظر آئے۔ایک دھارے میں وہ فنکار ہیں جو اپنی تحریروں کی کلاسیکی قبا کے بند کھولنے کو اس کی بے حرمتی گردانتے رہے۔دوسرے دھارے میں وہ تخلیق کار شامل تھے جو اپنی تحریروں کی اساس روایت پر رکھتے تھے لیکن جدیدیت کو اپنے تخلیقی عمل میں سمو کر جمالِ تغزل کے نئے نئے زاویوں کو روشن کرتے رہے۔تیسرے دھارے میں وہ تازہ کار قلمکار تھے جو روایت کی پاسداری کی بجائے اپنی منفرد۔تخلیق کرنے میں مصروف کار رہے۔رانا عبدالرزاق خانؔ کی تحریر میں ایک دھیمی آنچ کی سی کیفیت ہے یہ شعلہ کہیں بھڑک بھی اُٹھتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی مدہم رہتا ہے۔ان کی کتاب دانشکدہ عظیم کا مطالعہ کر چکا ہوں کتاب بہت کو بصورت چھپی ہے ٹائٹل بھی پیارا ہے، کتابت اور طباعت بھی عمدہ ہے اور کاغذ بھی بہترین صاف ستھرا۔عام فہم اور میدانی دریا کی خوشگوار روانی جیسا انداز و اسلوب بہت دل کش ہے۔ادبی سیاست اور جھوٹی شہرت کا آج کل چلن عام ہے ایسے میں روش عام سے ہٹ کر چلنا قلم کی حرمت اور ناموس لفظ و بیان کا لحاظ رکھنا مجاہدے کا درجہ رکھتا ہے ۔مجھے رانا عبدالرزاق خاںؔ کی کتاب دانشکدہ عظیم ۔دیکھ کر اور پڑھ کر مسرت ہوئی کہ آپ نے اپنے آپ کو اس آلودگی سے محفوظ رکھا ہے اور اِس کتاب کے حوالے سے اُردو دنیا، ادبی حلقوں میں آپ کو جو عزت قدر و منزلت اور پذیرائی ملی ہے وہ ’’حق بحق دار رسید‘‘ کے مصداق آپ کا حق تھا اور آپ کی محنت شاقہ کا ثمر بھی۔آپ کی کتاب دانشکدہ عظیم پڑھ کر جو تاثر اُبھرتا ہے کہ رانا عبدالرزاق خاںؔ کشادہ ذہن کے مالک تخلیقی تعصب سے کوسوں دور غم گسار و غم شناس شخص ہیں ۔ رانا رزاقؔ کی نثر نگاری اور لفظیات عصرِ رواں کی رواں رواں اُردو ہے۔ جو ہر عامل و عامی کے دل و دماغ میں بھرپور اثر ڈالتی ہے۔ آپ نے گذشتہ ادوار میں گزرے کل کو اپنے جذب دروں کی کیفیات کو بڑے سلیقے اور قرینے سے قارئین کے دل و دماغ تک پہنچایا ہے ۔محترم رانا عبدالرزاقؔ خاں نے ہزاروں کی بھیڑ میں اپنی شناخت بنالی ہے۔آپ کے لکھنے کا اندزِ بیان، اظہارِ خیال پر گرفت تو اتنی مضبوط ہے کہ جو قاری کو متاثر کئے بغیر نہیں چھوڑتی۔رانا عبدالرزاقؔ خاں مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے اُفق پر ایک تابناک ستارہ ہیں۔ وہ حق کی سربلندی ہیں اور اس کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔جیسا کہ اُن کی کتاب سے اندازہ لگانا آسان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُن کی آنے والی تحریریں یعنی نقشِ ثانی، نقشِ اوّل سے بھی زیادہ تابناک ثابت ہوگی اور دُنیا ادب میں اُن کا مقام بلند سے بلندتر ہوتا جائے گا میں اُن کو اِن کی جملہ کامیابیوں پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت والی فعال زندگی سے نوازتا رہے۔آمین

معراج خالد وزیراعظم پاکستان

تقریباً ایک صدی قبل یعنی 20 ستمبر 1916ء کو لاہور کے ایک نواحی گاؤں میں ایک بچہ پیدا ہوا‘ چار بہن بھائیوں میں یہ سب سے چھوٹا تھا‘ پورا گاؤں ان پڑھ مگر اسے پڑھنے کا بے حد شوق تھا‘ اس کے گاؤں میں کوئی سکول نہ تھا لہٰذا یہ ڈیڑھ میل دور دوسرے گاؤں پڑھنے جاتا‘ راستے میں ایک برساتی نالے سے اسے گزرنا پڑتا‘ چھٹی جماعت پاس کرنے کے بعد وہ 8 میل دور دوسرے گاؤں میں تعلیم حاصل کرنے جاتا‘ اس نے مڈل کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور وظیفہ حاصل کیا‘ مذید تعلیم حاصل کرنے لاہور آیا‘ یہاں اس نے سنٹرل ماڈل سکول

میں(جوکہ اس وقت کا نمبر 1 سکول تھا) داخلہ لے لیا'اس کا گاؤں شہر سے 13 کلومیٹر دور تھا' غریب ہونے کی وجہ سے اپنی تعلیم جاری رکھنا مشکل تھی مگر اس نے مشکل حالات کے سامنے ہتھیار نہ پھینکے بلکہ ان حالات کے مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔

اس نے تہیہ کیا کہ وہ گاؤں سے دودھ لے کر شہر میں بیچے گا اور اپنی تعلیم جاری رکھے گا چنانچہ وہ صبح منہ اندھیرے اذان سے پہلے اٹھتا' مختلف گھروں سے دودھ اکٹھا کرتا' ڈرم کو ریڑھے پر لاد کر شہر پہنچتا' شہر میں وہ نواب مظفر قزلباش کی حویلی اور کچھ دکانداروں کو دودھ فروخت کرتا اور مسجد میں جا کر کپڑے بدلتا اور سکول چلا جاتا' کالج کے زمانہ تک وہ اسی طرح دودھ بیچتا اور اپنی تعلیم حاصل کرتا رہا' اس نے غربت کے باوجود کبھی دودھ میں پانی نہیں ملایا۔ بچپن میں اس کے پاس سکول کے جوتے نہ تھے' سکول کے لئے بوٹ بہت ضروری تھے' جیسے تیسے کر کے اس نے کچھ پیسے جمع کر کے اپنے لیے جوتے خریدے' اب مسئلہ یہ تھا کہ اگر وہ گاؤں میں بھی جوتے پہنتا تو وہ جلدی گھس جاتے چنانچہ وہ گاؤں سے والد کی دیسی جوتی پہن کر آتا اور شہر میں جہاں دودھ کا برتن رکھتا وہاں اپنے بوٹ کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیتا اور اپنے سکول کے جوتے پہن کے سکول چلا جاتا۔ والد سارا دن اور بیٹا ساری رات ننگے پاؤں پھرتا' 1935ء میں اس نے میٹرک میں نمایاں پوزیشن حاصل کی اور پھر اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں داخلہ لیا۔

اب وہ اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے گاؤں سے ریڑھے میں دودھ لاتا اور شہر میں فروخت کر دیتا' اس کام میں کبھی اس نے عار محسوس نہ کیا' فرسٹ ائیر میں اس کے پاس کوٹ نہ تھا اور کلاس میں کوٹ پہننا لازمی تھا چنانچہ اسے کلاس سے نکال کر غیر حاضری لگا دی جاتی' اس معاملے کا علم اساتذہ کو ہوا تو انہوں نے اس ذہین طالبعلم کی مدد کی' نوجوان کو پڑھنے کا بہت شوق تھا' 1939ء میں اس نے بی اے آنرز کیا' یہ اپنے علاقہ میں واحد گریجویٹ تھا' یہ نوجوان اس دوران جان چکا تھا کہ دنیا میں کوئی بھی کام آسانی سے سرانجام نہیں دیا جا سکتا' کامیابیوں اور بہترین کامیابیوں کے لیے ان تھک محنت اور تگ و دو لازمی عنصر ہے۔ معاشی دباؤ کے تحت بی اے کے بعد اس نے باٹا پور کمپنی میں کلرک کی نوکری کر لی چونکہ اس کا مقصد اور گول لاء یعنی قانون پڑھنا تھا لہٰذا کچھ عرصہ بعد کلرکی چھوڑ کر قانون کی تعلیم حاصل کرنے لگا اور 1946ء میں ایل ایل بی کا امتحان پاس کر لیا۔

1950ء سے باقاعدہ پریکٹس شروع کر دی' اس پر خدمت خلق اور آگے بڑھنے کا بھوت سوار تھا' اس نے لوگوں کی مدد سے اپنے علاقے میں کئی تعلیمی ادارے قائم کیے' اس جذبہ کے تحت 1965ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کا الیکشن لڑا اور کامیاب ہوا' پیپلز پارٹی کے روٹی' کپڑا اور مکان کے نعرے سے متاثر ہو کر اس میں شامل ہو گیا۔ 1970ء میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر ایم این اے منتخب ہوا اور نواب مظفر قزلباش کے بھائی کو جن کے گھر یہ دودھ بیچا کرتا تھا' شکست دی۔ 1971ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی پہلی کابینہ میں وزیر خوراک اور پسماندہ علاقہ جات بنا' 1972ء کو پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب کا وزیر اعلیٰ بنا' وزارت اعلیٰ کے دوران اکثر رکشے میں سفر کرتا' اپنے گورنر مصطفی کھر کے ساتھ نبھا نہ ہونے کی وجہ سے استعفی دے کر ایک مثال قائم کی' 1973ء میں اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت کی' 1973ء میں وفاقی وزیر قانون و پارلیمانی امور کا قلمدان سونپا گیا۔ 1976ء میں وفاقی وزیر بلدیات و دیہی مقرر گیا' دو دفعہ سپیکر قومی اسمبلی بنا اور 4 سال تک انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کا ریکٹر رہا۔

ایک مفلس و قلاش ان پڑھ کسان کا بیٹا جس نے کامیابی کا ایک لمبا اور کٹھن سفر اپنے دودھ بیچنے سے شروع کیا اور آخر کار پاکستان کا وزیر اعظم بنا' یہ پاکستان کا منفرد وزیر اعظم تھا جو ساری عمر لاہور میں لکشمی مینشن میں کرائے کے مکان میں رہا' جس کے دروازے پر کوئی دربان نہ تھا' جس کا جنازہ اسی کرائے کے گھر سے اٹھا' جو لوٹ کھسوٹ سے دور رہا' جس کی بیوی اس کے وزارت عظمٰی کے دوران رکشوں اور ویگنوں میں دھکے کھاتی پھرتی۔ میرے قارئین اور ہم وطنو! ملک معراج خالد تاریخ کی ایک عہد ساز شخصیت تھے۔

آپ 23 جون 2003ء کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے' ان کے ہم سے رخصت ہوئے 14 سال ہو گئے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تاریخ ایسے افراد کو صدیوں تک یاد رکھتی ہے' یہ کسی کے ساتھ بے ایمانی نہیں کرتے' جس نے اپنا مقصد حیات انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کیا' جنھوں نے اپنے قومی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دی' آج تاریخ پھر اس موڑ پہ ہے جہاں اسے ایسے باہمت و محب وطن رہنما کی ضرورت ہے۔ ملک معراج خالد سے میری اہلیہ کے خاندان کے دیرینہ مراسم تھے۔ انکے والد محمد مسعود خان سی ایس پی آفیسر تھے۔ وہ ملک صاحب کی وزارت اعلیٰ کیدور میں سیکرٹری ٹو چیف منسٹر رہے۔ اسی دوران مسعود خان عنفوان شباب میں اللہ کے حضور پیش ہوگئے۔ ملک معراج خالد عرصہ دراز تک باقاعدہ مرحوم کے بچوں کی دلجوئی کے لیے انکے گھر ماڈل ٹاؤن آتے اور ہر طرح خیال رکھتے۔ تہمینہ کی دادی اس دوران حج پر گئیں تو ملک صاحب کے لئے آب زم زم۔ مدینہ منورہ سے کھجوریں اور Benson and Hedges کے سگریٹ کا ایک پیکٹ لائیں۔ ملک معراج ہدیہ وصول کر کے بہت مسرور تھے۔ مگر بڑھیا سگریٹ کا پیکٹ شکریہ سے لوٹا دیا اور بولے۔ اماں۔ میں تو K2 سگریٹ پیتا ہوں۔ ولائیتی سگریٹ میری قوت خرید سے باہر ہے۔ میری عادت بگڑ جائے گی۔ ڈاکٹر عبدالرحمن کی سپیریر یونیورسٹی کے بنانے میں حد درجہ مدد اور سرپرستی کا میں خود چشم دید گواہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے آمین۔

***

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK

TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002

E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM

WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM

CELL +44 (0) 7903 416966

MORDEN SOLICITORS
Building Your Future Together

We deal in:-

- Property Matters, Residential & Commercial, Conveyancing, Wills and Probate, etc
  Unfair dismissal, Discrimination at work, etc
- Unfair dismissal, Discrimination at work, etc
- Appeals, Asylum, Removals, Judicial reviews, immigration, work permit, HSMP, etc.
- Injury at work or had an accident
- Matrimonial, Adoption, Divorce, etc.

We offer Quality Assistance and services to you for making a difference to .

Family Matters | Employment | Immigration | Personal Injury | Conveyancing

If you have any of the above problems

Call us **WHY WAIT**

just give us a **CALL NOW** and book your

FREE appointment at **020 8646 9691**

Our highly skilled and qualified ADVOCATES/ SOLICITORS & accredited staf will provide you with quality service

All calls are dealt with **Strict Confidentiality**

You can email us at: mail@mordensolicitors.co.uk

Address: 7-7A London Road, Morden, Surrey SM4 5HT

property renting

made

EASY & SIMPLE

N2 LETTINGS ESTATE AGENTS

020 34170607 www.n2lettings.com

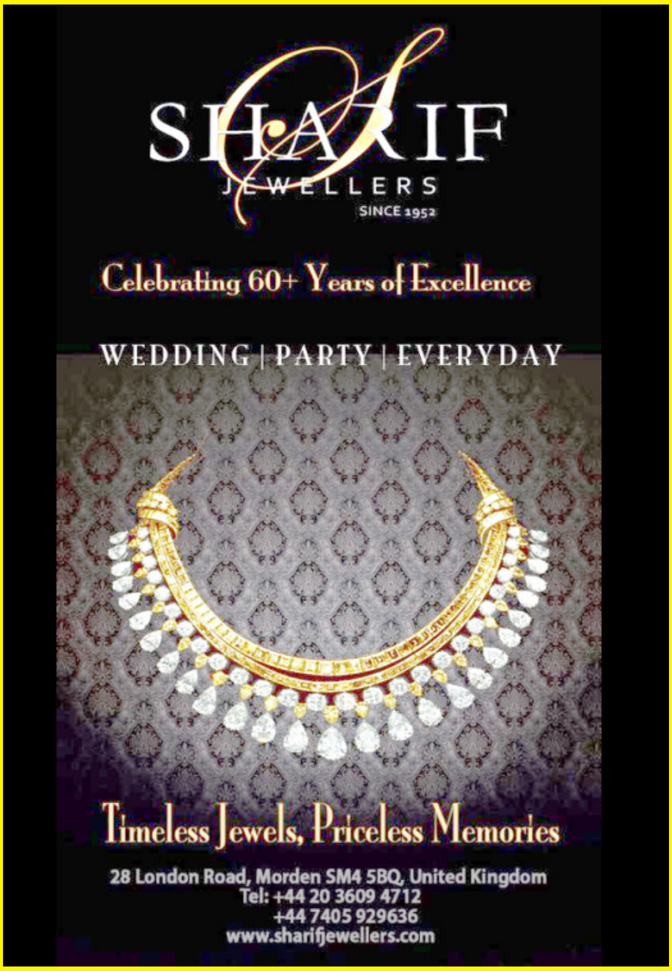

EP
Earlsfield Properties

Letting & Estate Agents,
Surveyors, Valuers
(Group of Companies)

We will manage your
property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3&5 years.

Free Management Service
Guaranteed Vacant Possession.
Member National Landlord Association
Member Deposit Protection Schemes

Please contact: Naveed Sarwar (MA European Real Estate)

175 Merton Road, London SW18 5EF Tel: 02082656000 02088770762 Fax: 02088749754
Email: earlsfieldproperties1@hotmail.com Web: www.earlsfieldproperties.com